361

ملتِ اسلامیہ کا علمی اور اصلاحی مجلہ

محدث

جون ۲۰۱۳ء

مدیرِ اعلیٰ
حافظ عبد الرحمن مدنی
حفظہ اللہ

مدیر
ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

مجلس التحقیق الاسلامی

۲ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش بہ سلسلہ ڈی این اے
۲۴ اُمتِ مسلمہ میں وجودِ شرک پر شبہات کا ازالہ
۵۳ عورت کو حق طلاق تفویض کرنا شریعت میں تبدیلی ہے!
۷۲ مساوات مرد و زن کے نعرے اور مغربی خواتین کی حالتِ زار

ماہنامہ محدث لاہور

ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارُف

مُدیرِ اعلیٰ: حافظ عبدالرحمٰن مدنی   مُدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام محدث تھا- کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیمِ ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین ودانشور حافظ عبدالرحمٰن مدنی حفظہ اللہ نے اس کا اِجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی وکامرانی سے شائع ہو رہا ہے، وللہ الحمد!

محدث کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحبِ علم وفضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور ملحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فی شمارہ: ۲۰روپے   زرِ سالانہ: ۲۰۰روپے بیرون ملک: ۲۰ڈالر

بذریعہ منی آرڈر ربینک ڈرافٹ ۲۰۰روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے محدث وصول کریں اور علمی و تحقیقی مضامین سے استفادہ کریں۔

ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 042 - 3586639 / 35866476   موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر محدث پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com __   www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

اجرائے مُحدث کے مقاصد

☜ عناد اور تعصّب قوم کیلئے زہر ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں!
لیکن تعصّبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

☜ علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!
لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

☜ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے!
لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

☜ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالح دینیہ کے خلاف ہے!
لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین ومسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

☜ آئین وسیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے!
لیکن جدا ہو دین سیاست سے تورہ جاتی ہے چنگیزی۔

☜ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے!
لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمایئے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

ملتِ اسلامیہ کا علمی و اصلاحی مجلہ

ماہنامہ محدث

لاہور پاکستان

مدیر اعلیٰ: حافظ عبد الرحمن مدنی

مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

only for SMS
0333-4213525

شمارہ ۳۶۱ جلد ۴۵ | جون ۲۰۱۳ء، بمطابق رجب المرجب ۱۴۳۴ھ | عدد ۳

مجلسِ ادارت: ڈاکٹر حافظ انس مدنی، ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی، ڈاکٹر حافظ محمد زبیر، محمد کامران طاہر

ترسیل کی شکایات
محمد اصغر
03054600861

زرِ سالانہ =/۳۰۰ روپے
فی شمارہ =/ ۳۰ روپے

بیرون ملک
زرِ سالانہ =/۲۰ ڈالر
فی شمارہ =/۲ ڈالر

Monthly Muhaddis
A/c No:984-8
UBL-Model Town
Bank Squre Market, Lahore.

فہرست مضامین

فکر و نظر		
اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش بہ سلسلہ ڈی این اے	ڈاکٹر حافظ حسن مدنی	۲
ایمان و عقائد		
اُمتِ مسلمہ میں وجودِ شرک پر شبہات کا ازالہ	ابو عبد اللہ طارق	۲۴
فقہ اجتہاد		
عورت کو حق طلاق تفویض کرنا شریعت میں تبدیلی ہے!	حافظ صلاح الدین یوسف	۵۳
تصویر مغرب		
مساوات مرد و زن کے نعرے اور مغربی خواتین کی حالتِ زار	ثروت جمال اصمعی	۷۲
اصلاح معاشرہ		
حضرت لقمان علیہ السلام کی نوجوانوں کو نصیحتیں	محترمہ ندا اشرف	۹۵

دفتر محدث: ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن لاہور 54700

042-35866476
35866396

Email:
muh@llu.edu.pk

Publisher:
Hafiz Abdur Rahman Madni

Printer:
Shirkat Printing Press, Lahore

Islamic Research Council

Designing: Crystal Art 166B Central Plaza Barkat Market, Lahore 03237471861-2

محدث کتاب و سنت کی روشنی میں آزادانہ بحث و تحقیق کا حامی ہے لہٰذا مضمون نگار حضرات سے کُلی اتفاق ضروری نہیں!

فکر و نظر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش بسلسلہ ڈی این اے

سیکولر پروپیگنڈے کا تجزیہ اور مسئلہ کی قانونی و شرعی حیثیت

صدر ایوب خاں کے دورِ حکومت ۱۹۶۲ء میں قائم کی جانے والی 'اسلامی مشاورتی کونسل' کو ترقی دے کر ۱۹۷۳ء کے دستور میں 'اسلامی نظریاتی کونسل' کا نام دیا گیا اور کسی بھی قانون کی شرعی حیثیت جانچنے کے لئے اس کو آئینی کردار سونپا گیا۔ ستمبر ۱۹۷۷ء میں اس دستوری ادارے کے کردار کو مؤثر کرتے ہوئے، اس کے ۲۰؍ارکان مقرر کئے گئے اور ضروری قرار دیا گیا کہ اس کے کم از کم چار ارکان ایسے ہوں گے جنہوں نے اسلامی تعلیم و تحقیق میں کم از کم ۱۵ برس صرف کئے ہوں اور اس میں تمام مکاتب و مسالک کی نمائندگی بھی ضروری ہے۔ اس کے فاضل ارکان میں اعلیٰ عدلیہ کے دو سابق جج صاحبان اور ایک خاتون رکن کی موجودگی بھی ضروری قرار پائی۔

دستورِ پاکستان کے مستقل باب 'اسلامی احکام' کی دفعہ ۲۲۷ کی شق اوّل میں یہ ضمانت دی گئی ہے کہ "تمام موجودہ قوانین کو کتاب و سنت میں منضبط اسلامی احکام کے مطابق بنایا جائے گا۔" اور اسی دفعہ کی شق دوم یہ بتاتی ہے کہ کسی حکم کے اسلامی ہونے یا نہ ہونے کا تعین دستور کے اسی حصے یعنی اسلامی نظریاتی کونسل کے طے شدہ دائرہ عمل اور قانونی طریق کار کے ذریعے سے ہی ممکن ہوگا۔ دفعہ نمبر ۲۲۹ میں کونسل کی آئینی ذمہ داری متعین ہوئی کہ صدر، گورنر یا کسی اسمبلی کا ۴۰ فیصد حصہ اسلامی نظریاتی کونسل سے کسی قانون کے اسلامی یا غیر شرعی ہونے کا مشورہ لے سکتا ہے۔ اس سے اگلی دفعہ میں کونسل کے فرائض میں بتایا گیا کہ وہ کسی بھی اسمبلی کو ایسے اقدامات کی سفارش کر سکتی ہے جن سے پاکستان میں انفرادی اور اجتماعی طور پر اسلام جاری و ساری ہو سکے۔ اُن تدابیر کی نشاندہی کر سکتی ہے جن سے مروجہ قوانین اسلام کے تقاضوں کے مطابق ہو جائیں۔ یا خود کونسل اسلامی احکام کی تدوین کا کردار بھی انجام دے سکتی ہے تاکہ اُنہیں قانونی طور پر نافذ کیا جائے۔ کونسل اس امر کی پابند ہے کہ ۱۵ روز کے اندر کسی

بھی رہنمائی طلب مسئلہ میں پارلیمنٹ کو سفارش پیش کرے، اور اگر اسے کونسل کی سفارش سے قبل نافذ کر دیا جائے تو کونسل کی سفارش کے مطابق اسمبلی اس پر نظر ثانی کرنے کی پابند ہوگی۔[1]

کونسل مذکور نے ۲۹،۲۸ مئی ۲۰۱۳ء کو منعقدہ اپنے ۱۹۱ویں اجلاس میں بعض اہم اُمور پر سفارشات کی ہیں، جن کی اہمیت وافادیت کو سمجھے بغیر، سیکولر طبقہ اور بعض ملحدین ان سفارشات کو تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں۔ ذرائع ابلاغ میں اس حوالے سے بیانات، مضامین، رپورٹیں، تبصرے اور سروے سامنے آنے لگے، سوشل میڈیا میں اس مسئلہ کو اُچھالا گیا اور حقائق کو جانے بغیر یہ لوگ اسلامی نظریاتی کونسل کو کوسنے اور علما کو دقیانوس اور قدامت پرست ہونے کا طعنہ دینے لگے... آیئے دیکھیں کہ نظریاتی کونسل کی سفارش کیا ہے، اس پر کیا تنقید کی جارہی ہے اور تنقید کے پس پردہ مقاصد و مضمرات کونسے ہیں؟ نیز اصل مسئلہ کی شرعی اور قانونی حقیقت کیا ہے؟ روزنامہ جنگ لاہور میں شائع ہونے والی خبر ملاحظہ فرمایئے:

> "اسلام آباد... اسلامی نظریاتی کونسل نے کہا ہے کہ زنا بالجبر کے معاملے میں ڈی این اے ٹیسٹ بطورِ شہادت قابل قبول نہیں، البتہ اسے ضمنی شہادت کے طور پر لیا جاسکتا ہے۔ کونسل نے قرار دیا ہے کہ زنا بالجبر کے جرم کے تعین، حد اور قصاص کے لیے اسلام نے طریقہ کار طے کر رکھا ہے، ڈی این اے ٹیسٹ صرف ضمنی شہادت کے طور پر لیا جاسکتا ہے۔ چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل مولانا محمد خان شیرانی کا کہنا ہے کہ زنا بالجبر میں ڈی این اے ٹیسٹ کارآمد ثابت نہیں ہوتا ہے کیونکہ زنا ایک ایسا جرم ہے کہ جس کے ثبوت کے لئے بہت احتیاط ضروری ہوتی ہے، ڈی این اے ٹیسٹ وہاں کافی نہیں ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے مزید سفارش کی ہے کہ توہین رسالت کے موجودہ قانون میں تبدیلی نہ کی جائے، تاہم اس پر کونسل مزید غور کرے گی۔"

مذکورہ بالا اجلاس میں اعلیٰ عدلیہ کے دو ریٹائرڈ جج حضرات: جسٹس نذیر اختر اور جسٹس مشتاق میمن کے علاوہ مختلف مکاتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے ممبر علما نے شرکت کی جبکہ اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین سینیٹر مولانا محمد خان شیرانی کی زیر صدارت یہ اجلاس منعقد ہوا۔ کونسل کی ویب سائٹ پر جاری ۲۹ مئی ۲۰۱۳ء کی پریس ریلیز میں بتایا گیا کہ

"اجلاس میں ملک بھر میں ہونے والی نصابی تبدیلیوں بالخصوص صوبہ پنجاب کے

---

[1] دستور پاکستان ۱۹۷۳ء کی دفعہ نمبر ۲۳۰ کی تین شقوں میں درج نظام کا خلاصہ

نصابِ تعلیم میں اسلامی، ملی، دینی اور نظریہ پاکستان کی عکاسی کرنے والے مضامین کو سکولوں کے نصاب سے خارج کرنے کو افسوسناک اور قابل تشویش قرار دیا گیا...
مزید بر آں اجلاس مذکور میں رؤیت ہلال کے نظام کو جدید بنانے، خیبر پی کے میں رؤیت ہلال کے حوالے سے اتحاد ویگانگت کو فروغ دینے اور مسلمانانِ پاکستان کو انتشار وافتراق سے بچانے کے لئے مجلس مذاکرہ منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اسی طرح زکوٰۃ فنڈ کو بنکوں میں رکھنے، مصیبت زدہ اور زیر حراست خواتین کے لئے فنڈ کے قیام کے ایکٹ وغیرہ پر متعدد سفارشات منظور کیں۔ مزید بر آں زنا بالجبر کے کیسوں میں ڈی این اے ٹیسٹ کو بطورِ شہادت قبول کرنے، توہین رسالت ایکٹ میں ترمیم اور دیگر اُمور پر غور کرنے کے بعد سفارشات منظور کیں۔"

ڈی این اے سے متعلق اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش کی معنویت اور قانونی نوعیت کو سمجھے بغیر، نیز دیگر اہم سفارشات کی تائید کرنے کی بجائے، اسلام بیزار طبقہ نے شور مچانا شروع کر دیا، اور سب سے پہلے بی بی سی لندن نے اس پر کڑے اور مضحکہ خیز الفاظ میں تنقید کی۔ 'شرعی ڈین اے' کے نام سے لکھے جانے والی رپورٹ میں محمد حنیف لکھتے ہیں کہ

"کونسل میں شامل تمام اراکین اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں، اِس ملک کے معروضی حالات سے واقف ہیں، اُمید ہے فقہ اور حدیث کے ساتھ ساتھ ہائی سکول کی سائنس بھی پڑھی ہو گی۔ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ آپ شناختی کارڈ جعلی بنوا سکتے ہیں، کسی اور کے پاسپورٹ پر اپنی تصویر لگا سکتے ہیں، پلاسٹک سرجری سے چہرہ بھی تھوڑا بہت بدل سکتے ہیں، لیکن ابھی تک دریافت ہونے والے انسانی جینیاتی شناخت میں ڈی اے این ہی وہ کوڈ ہے جو کسی دو اِنسانوں میں مشترک نہیں ہوتا۔ لیکن اسلامی نظریاتی کونسل والے بھی کیا کریں وُہ مذہبی بھی ہیں اور نظریاتی بھی اور ہر ایسی سائنسی ایجاد جو اُن کے رُتبے کو چیلنج کرے، اُن کے لیے قابل قبول نہیں ہے... ڈی این اے ٹیسٹ جس کے ذریعے 'ریپ' جیسے قبیح جرم کا شکار ہونے والی ایک بچی کو انصاف مل سکتا ہے، ہمارے ملک کے چنیدہ علما اس پر متفق ہیں کہ نہیں ہونے دیں گے۔"[1]

خبر کا انداز اور لہجہ، رپورٹ اور حقیقت سے بڑھ کر طنز و تمسخر کی بھونڈی مثال ہے، بی بی سی

1 بی بی سی اردو ویب سائٹ: ۳۰ مئی ۲۰۱۳ء

کی سابقہ روایات کے عین مطابق، خبریت سے زیادہ اس میں اپنے قاری کی ذہن سازی کی کوشش کی گئی ہے۔ حیرانی اس امر پر ہے کہ کسی نے بھی خبر کی حقیقت کو سمجھنے یا اسے بیان کرنے کی لحہ بھر کوشش نہ کی اور لگے علما کے بہانے سے اسلام کو کوسنے...!!

بی بی سی نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اسے رائے عامہ کا موضوع بنا ڈالا، اس موضوع کو عوام کے تبصروں کے لئے کھول دیا اور مغربی ہتھکنڈوں کو استعمال کرتے ہوئے، پہلے مسلمانوں میں سے ہی افتراق کے لئے مخالف دھڑے کی جستجو کی، نظرِ انتخاب جاوید غامدی پر جا ٹھہری اور وہاں سے اُنہیں عین وہی فتویٰ صادر ہو گیا جو اُن کی خواہش تھی۔ ارشاد ہوا کہ

"ثبوت جرم کے لیے قرآن مجید نے کسی خاص طریقے کی پابندی لازم نہیں ٹھہرائی۔ زنا بالجبر میں ڈی این اے بطورِ ثبوت پیش ہو سکتا ہے۔"

جاوید غامدی کے اس فتویٰ کا جائزہ تو ہم آگے لیں گے کہ ثبوتِ جرم کا قرآنی تقاضا کیا ہے؟ تاہم اُنہوں نے بھی ڈی این اے کے ثبوت کی بات کی ہے، ضمنی یا بنیادی شہادت کے مسئلہ پر انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ پاکستان میں مغرب کے ان ہم خیالوں نے بھی اسلام کے خلاف اُٹھنے والی مغربی میڈیا کی آواز پر لبیک کہا اور روزنامہ ڈان نے یکم جون ۲۰۱۳ء کو 'دقیانوسی سوچ' کے زیر عنوان اداریہ لکھ مارا۔ الفاظ کا انتخاب دیکھئے، لب و لہجہ پر توجہ کیجئے تو آپ کو یہ پہچاننے میں لحہ بھر مشکل نہ ہو گی کہ انتہا پسندی اور جہالت کی آئے روز تکرار کرنے والے خود اس میں گھٹنے گھٹنے ڈوبے ہوئے ہیں۔ اسلام یا قرآن کے کسی حکم کی بات آجائے تو وہ سائنس سے جہالت کا طعنہ دیتے، رجعت اور علم دشمنی کے الزام لگاتے اور پھبتیاں کستے نہیں رکتے، ملاحظہ فرمائیے:

"جنرل ضیاء الحق کی موت کو پچیس سال ہو چکے لیکن اُنہوں نے غلط رویوں کی جو میراث چھوڑی، وہ جانے کا نام نہیں لے رہی۔ پاکستان کو دھکیل کر پیچھے کی طرف لے جانے کی جو بساط اُنہوں نے بچھائی تھی، اُس پر ان غلط رویوں کی تازہ ترین مثال منطق سے خالی اور چونکا دینے والی ہے!!

اسلامی نظریاتی کونسل جو قوانین اور آئینی میکنزم کا مشاہدہ کر کے شرعی بنیادوں پر اس کی تشریحات کرتی ہے، نے بدھ کو فیصلہ صادر کر دیا کہ عصمت دری یا ریپ کے کیس میں ڈی این اے ٹیسٹ بنیادی ثبوت کے طور قابلِ قبول نہیں۔

آخر خود اسلامی نظریاتی کونسل کی کیا ضرورت ہے؟ مجوزہ قانون سازی اور جاری قوانین کا جائزہ لینے کے لیے ایک منتخب پارلیمنٹ موجود ہے، جس پر نظر رکھنے کے

لیے عدالتیں یا اُن پر تنقید کے لیے میڈیا موجود ہے۔ ماضی کے ان عفریتوں سے پیچھا چھڑانے کی ضرورت ہے۔"

ایسے ہی شدید ردِّ عمل کا اظہار جرمنی کے خبر رساں ادارے 'بغاوت' نے اپنی ۳۱ مئی کی اشاعت میں کیا۔ پاکستان میں عاصمہ جہانگیر کے 'انسانی حقوق کمیشن' نے بھی ۳۱ مئی ۲۰۱۳ء کو ہی اس پر اپنے ردِ عمل کا اظہار کرتے ہوئے اپنے پریس ریلیز میں یہ قرار دیا کہ

HRCP expressed alarm and disappointment...[1]

"کمیشن نے اس موقف کو خطرہ کی گھنٹی اور قابل تشویش قرار دیا کہ ڈی این اے، زنا بالجبر کے واقعات میں بنیادی شہادت کے طور پر قابل قبول نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ ایسی سفارشات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلامی کونسل کس طرح رجعت پسندانہ اور عصر جدید کے تقاضوں سے متصادم رجحانات کی حامل ہے، نئی حکومت کو فوری طور پر ایسی کونسل کو تحلیل کر کے تجدد پسند افراد پر مشتمل کونسل کی تشکیل کرنا ہوگی۔"

بات تبصرہ و تنقید اور طنزیہ لب و لہجے تک رہتی تو گوارا تھا، اسی پر اکتفا کرنے کی بجائے لبرل انتہاپسندوں کو جھوٹ کا بھی سہارا لینا پڑے، تو وہ اِس سے بھی گریز نہیں کرتے، کسی طرح اسلام اور اہل اسلام کی مذمت کا مقصد پورا ہونا چاہئے۔ آیئے دیکھیں جنگ کے کالم نگار عطاء الحق قاسمی کے فرزند اور دینی خانوادے کے چشم و چراغ، وفاقی بیوروکریٹ یاسر پیرزادہ کے خیالاتِ عالیہ... موصوف جب بولتے ہیں، چھپر پھاڑ کے بولتے ہیں اور اپنے مدعا کے لئے جو اینٹ روڑا ہاتھ آئے، اس کا استعمال ضروری خیال کرتے ہیں، انہوں نے اس پر مستقل کالم لکھ مارا۔ روزنامہ جنگ میں 'اسلامی نظریاتی کونسل کا اسلامی نظام' کے زیر عنوان وہ رقم طراز ہیں:

"اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنے حالیہ اجلاس میں یہ 'فتویٰ' صادر کیا ہے کہ اجتماعی عصمت دری کے مقدمات میں ڈی این اے ٹیسٹ کو بنیادی شہادت کے طور پر قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ خبر ریپ ملزمان کے لئے تازہ ہوا کا جھونکا ثابت ہو سکتی ہے لہٰذا ایسے تمام ملزمان کو چاہئے کہ وہ کونسل کے چیئرمین کو شکریے کی اِی میل ارسال کریں اور جیل سے چھوٹنے کے فوراً بعد اُن کے ہاتھ پر بیعت کر لیں....

اس فیصلے کے دور رس اثرات ابھی سے سامنے آنا شروع ہو گئے ہیں... کراچی کی ایک

---

1 روزنامہ ڈان، ۳ر جون ۲۰۱۳ء

عدالت نے اس نظام پر عمل درآمد کا آغاز کر دیا ہے۔ ان غلط فیصلوں کے نتیجے میں گینگ ریپ ہونے والی خواتین کی آواز دب جائے گی اور ملزم دندناتے پھریں گے۔ کیا اسلامی نظریاتی کونسل کا یہی انصاف ہے؟"[1]

تبصرہ و تجزیہ

قارئین کرام! اوپر درج شدہ خبروں اور کالموں سے جس طرح آپ کو یہ اندازہ ہوا کہ اسلام کے خلاف کوئی معاملہ کس طرح عالمی میڈیا اُٹھاتا ہے، پاکستان میں کونسے حلقے اُن کی آواز پر لبیک کہتے ہیں اور پھر کس طرح اس کو موقر روزناموں کے صفحات پر بعض کالم نگار پہنچا دیتے ہیں۔ اسی طرح مذکورہ بالا بیانات سے آپ کو لبرل دانشوروں کی شدت وانتہاپسندی، طنز وتمسخر میں بجھی ہوئی تحریروں کے رجحان کا بھی علم ہوا۔ بات کہاں سے شروع ہوئی، اور اختتام تک پہنچتے پہنچتے اس میں کیا کیا جھوٹ اور کیسی مبالغہ آرائی کا مصالحہ شامل کیا گیا، اس کی تفصیل ذیل میں آرہی ہے۔ توجہ طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا بیانات اور خوش نما جذبے، روح وعمل سے خالی ہیں، اگر اُن کے منطقی نتائج پر غور کیا جائے تو کوئی بھی فرد اس مرکزی نکتہ کے علاوہ کسی بات پر متفق نہیں کہ علمائے کرام اور اسلامی اداروں کو بدنام کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی جائے، چاہے یہ ادارے سرکاری سطح پر انتہائی معتبر اور آئینی ڈھانچے اور تشخص کے حامل ہوں، ان میں اعلیٰ عدلیہ کے فاضل جج حضرات بھی تشریف فرما ہوں، لیکن اُن کی بلا سے۔

① انتہاپسندی؛ ایک مذموم رویہ: سب سے پہلے تو واضح رہنا چاہئے کہ انتہاپسندی ایک رویہ ہے جو کسی بھی طبقہ میں پایا جائے، وہ قابل اصلاح ہے۔ اسلام ایک دین اعتدال ہے، ملتِ اسلامیہ اُمتِ وسط ہے۔ بہترین اُمور، میانہ روی کے حامل اور درمیان والے ہیں۔ انتہاپسندی اسلام کی رو سے عبادات میں ہو تو وہ ناجائز ہے، معاملات میں ہو تو گوارا نہیں، جس پر کئی ایک فرامین نبویہؐ شاہد ہیں۔ لیکن دیکھنے میں آتا ہے کہ بزعم خود روشن خیال کہلانے والے ملحد اور لبرل طبقات اپنے خیالات پیش کرنے، دوسروں کو لتاڑنے اور ان پر جملے کسنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ یہ انتہاپسندی کسی بھی مقام پر ہو، قابل اصلاح اور قابل استرداد ہے۔ بالخصوص ایسے مقام پر جہاں طنز و تمسخر کے ساتھ ساتھ اس میں جھوٹ اور

1 روزنامہ جنگ لاہور، ۳ جون ۲۰۱۳ء

خلاف واقعہ دعووں کی آمیزش بھی شامل ہو۔

جھوٹ اور مبالغہ آرائی

④ تنقید کرنے والوں کے دعوے خلافِ واقعہ ہیں۔جناب یاسر پیرزادہ نے اپنے کالم میں علماے کرام پر پھبتیاں کسنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن اس توجہ کا معمولی حصہ وہ اصل سفارش کے متن کو تلاش کرنے میں صرف کر دیتے تو اس طرح اپنے قارئین کے ساتھ وہ بہتر انصاف کرپاتے۔ ہم اوپر اس سفارش کا متن، اور اس پر ہونے والے مختلف تبصرے پڑھ آئے ہیں، کیا وجہ ہے کہ ہر مقام پر تو یہ سفارش زنا بالجبر کے گرد ہی گھومتی ہے اور جب یہ یاسر پیرزادہ کے پاس پہنچتی ہے تو زنا بالجبر کی بجائے از خود ہی 'اجتماعی عصمت دری' کی خوفناک شکل اختیار کر جاتی ہے۔ گینگ ریپ کی یہ اصطلاح اُنہوں نے کالم کے آغاز میں بھی استعمال کی اور کالم کا اختتام بھی اسی مخصوص جرم کے حوالے سے طنز پر ہوتا ہے۔ جناب کالم نگار پر اس جرم کا نزول کہاں سے ہوا اور اس کے بارے میں کس نے اور کب سفارش کی اور اُنہیں کہاں سے اس کا علم ہوا؟ زنا بالجبر اور گینگ ریپ فعل، ثبوت، سزا اور ہولناکی کے لحاظ سے دو مختلف جرم ہیں۔ اس کا مطلب اس کے سوا کیا سمجھا جائے کہ پیرزادہ صاحب نے اپنی تردید اور تمسخر میں وزن ڈالنے کے لئے اپنے قاری کو مغالطہ دینے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی۔

☜ بی بی سی لندن کے کالم نویس نے اپنی بات میں رنگ بھرنے کے لئے لودھراں کی ایک مظلوم خاتون سے بات کا آغاز کیا، وہاں تو اس واقعہ کا تذکرہ بطورِ اشارہ تھا جو حقائق کے برخلاف تھا، لیکن ہمارے ممدوح کالم نگار نے تو غلط بیانی کو وتیرہ بناتے ہوئے، اپنے قاری کو صریح مغالطہ دیا اور اس واقعے کو کونسل کی سفارش کا براہِ راست نتیجہ بنا دیا، لکھتے ہیں:

"اس فیصلے کے دور رس اثرات ابھی سے سامنے آنا شروع ہوگئے ہیں، پانچ سال قبل مزارِ قائد کے احاطے میں جو معصوم لڑکی ریپ کا شکار ہوئی.... آخر میں دوبارہ لکھا:
اگر ان سفارشات پر عمل درآمد ہو جائے تو ملک میں 'اسلامی نظام' نافذ ہو جائے گا، اگر ایسا ہی ہے تو اس جماعت کو مبارک ہو کہ کراچی کی ایک عدالت نے اس نظام پر عمل درآمد کا آغاز کر دیا ہے۔" (کالم مذکور)

جنابِ کالم نگار نے لودھراں کے واقعہ کو کونسل کی سفارش کا نتیجہ قرار دینے کا تاثر دیا ہے،

جبکہ اُنہیں علم ہونا چاہئے کہ کونسل کی کوئی بھی سفارش، پارلیمنٹ کے ذریعے قانون سازی کے متعدد مراحل سے گزرنے کے بعد بشرطِ منظوری ہی عدالتوں میں قانونی حیثیت اختیار کرتی ہے۔ ۲۹ مئی کو سفارش کی گئی اور ۳ جون تک لکھے جانے والے کالم میں اس کی ایک نظیر بھی یاسر پیرزادہ نے ڈھونڈ نکالی۔ اللہ کے بندے، کوئی اینٹ روڑا مارنے سے پہلے یہ تو دیکھ لینا تھا کہ ہاتھ میں گوبر تو نہیں آگیا۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ کراچی میں ایڈیشنل اینڈ سیشن جج شرقی ندیم احمد خاں کی عدالت سے لودھراں کی لڑکی کے مجرموں کی بریت کا فیصلہ دو ماہ قبل، ۵/اپریل ۲۰۱۳ء کو ہو کر منظرِ عام[1] پر آچکا تھا، جب کہ ابھی اسلامی نظریاتی کونسل میں اس موضوع پر بحث بھی نہ ہوئی تھی۔

☜ یہ بھی یاد رہے کہ پیرزادہ کے مرشد کالم نگار کی رائے میں تو لودھراں والے واقعے میں ڈی این اے ٹیسٹ کا کوئی مرحلہ سرے سے پیش ہی نہیں آیا، ایک اور کالم نگار کے خیال میں اس مقدمے کے مجرم بہت طاقتور ہیں، اُنہوں نے مقدمے میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مدعیہ نے اس کے ساتھ بھاگ کر شادی کی تھی اور اس بنا پر مدعیہ کے بھائی نے اس کو 'کاری' قرار دے کر قتل کرنے کی بھی کوشش کی۔ مدعیہ کا بھائی ایسا نہ تو کر سکا تاہم دو ماہ بعد وہ خود ہی نامعلوم افراد کے ہاتھوں قتل ہو گیا، کیا پیرزادہ اور ان کے مرشد صادق اس تمام ترلاقانونیت کا سبب بھی کونسل کو ہی قرار دیں گے؟ اور کیا وہ یہ بھی کہنا چاہیں گے کہ ملک کی عدالتوں میں برسوں کی تاخیر سے آنے والا فیصلہ بھی کسی مولوی صاحب کی کوتاہی یا سفارش کا ہی نتیجہ تھے۔ یا ملک بھر میں عدالتوں میں لٹکے ہزاروں کیسز کی وجہ بھی اُن کے زعم میں علمائے کرام کی رجعت پسندی ہی ہے۔ انگریز کے دیے عدالتی نظام کی خرابیاں مسلمہ ہیں، جنہوں نے دہشت گردی کے بھی کئی مجرم گرفتار کر رکھے اور سیکڑوں رہا کر چھوڑے ہیں لیکن آج تک کسی ایک کو بھی عبرت ناک سزا سے دوچار نہیں کیا۔ اب یاسر پیرزادہ اپنے آقائے ولی نعمت کو تو کچھ کہہ نہیں سکتے، سیکولر نظام انصاف کے بارے میں بھی ان کی زبان گنگ ہے، بے چارے اہل اسلام ہی ایسا نشانہ ہیں کہ جو چاہے اُنہیں شکار بنالے۔ جناب کالم نگار اور جنگ اخبار کی انتظامیہ کو چاہئے کہ کالم میں تاثیر پیدا کرنے کے لئے حقائق کا سہارا لیں، جھوٹ کی عمارت بظاہر جس قدر بھی دیدہ زیب ہو، آخر کار کچی ثابت ہوتی ہے۔

---

1 روزنامہ 'اُردو پوائنٹ' کراچی: ۶/اپریل ۲۰۱۳ء

④ **غلطی پر شاباش:** سیکولر دانش بازوں کا یہ ٹولہ اور جتھہ، کسی ایسی جرات پر ایک دوسرے کی پیٹھ ٹھونکنے کی بھی خاص روایت رکھتا ہے۔ ۳ جون کے اس مغالطہ آرائی پر مبنی کالم کو معروف لادین کالم نگار حسن نثار نے بطورِ خاص توصیف کی سند عطا کی ہے، یہ وہی حسن نثار ہیں جن کو یاسر پیرزادہ نے اپنے فحاشی کی تائید میں لکھے جانے والے ایک اور واہیات کالم میں 'مرشدِ اعلیٰ' کے لقب سے یاد کرکے اپنا فکری شجرۂ نسب اور نظری حدود اربعہ کھول دیا ہے۔ حسن نثار لکھتا ہے:

"آخر پر شاباش یاسر پیرزادہ کے لئے جس نے اسلامی نظریاتی کونسل کے اک تازہ ترین 'مقدس' فیصلہ پر کالم لکھ کر حق قلم ادا کردیا۔ ۳ جون کو شائع ہونے والا یاسر کا یہ کالم پھر پڑھیں اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پڑھائیں کہ یہ عظیم نیکی ہوگی۔ ویل ڈن یاسر پیرزادہ، آخر بیٹا بلکہ بیٹا بھی کیا، بھتیجا کس کا ہے؟"[1]

تعجب ہے کہ مذہب سے بیزار لوگ بھی، دوسروں کو تلقین کرنے کے لئے نیکی کا استعارہ استعمال کرتے ہیں، یہ نیکی اور بدی کیا ہے اور اس کا انجام کیا ہوگا؟ اس کا علم تو روزِ قیامت ہوگا جب ایک ایک لفظ کا حساب دینا پڑے گا، اور جو کئی دوسروں کی گمراہی کا سبب بنیں گے، ان کو سب کا وبال بھی اُٹھانا ہوگا۔ یاسر پیرزادہ اس تعریف پر پھولے نہ سماتے مزید لکھتا ہے:

"بائی دی وے، جن احباب نے ڈی این اے ٹیسٹ کے خلاف دلائل دیے ہیں، اُنہیں چاہئے کہ یہ دلائل اس نابالغ بچی کے لواحقین کو سنائیں جسے چار مردوں نے بھنبھوڑ کر قتل کر ڈالا اور اب باعزت بری ہوئے پھرتے ہیں۔"[2]

☜ جس طرح پیرزادہ نے زنا بالجبر کو خود سے گینگ ریپ بنا ڈالا، دو ماہ قبل ہونے والے واقعہ کو ۲۹ مئی کی سفارش کا نتیجہ دکھا ڈالا، اب لودھراں کی اس شادی شدہ عورت کو نابالغ بچی قرار دے دیا۔ ارے بھائی! غلط بیانی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ مزید برآں کیا آپ کا خیال ہے کہ اس سارے جرم کی وجہ ڈی این اے کی قانونی حیثیت کو تسلیم نہ کرنا ہی ہے اور بے چارے علما یا اسلامی نظریاتی کونسل ہی اس جرم کی سزاوار ہے، یا اس میں ہمارے سیکولر اور انگریزی عدالتی نظام کا بھی کوئی قصور ہے؟ یا کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ڈی این اے کی قانونی حیثیت تسلیم

۱ کالم 'چند ادھوری شاباشیں' از حسن نثار: روزنامہ جنگ لاہور، ۴ر جون ۲۰۱۳ء

۲ کالم 'فحاشی برائے فروخت' از یاسر پیرزادہ: روزنامہ جنگ لاہور، ۹ر جون ۲۰۱۳ء

کر لینے سے معاشرے میں عورت کو عزت و وقار نصیب ہو جائے گی اور اس کی آبرو قائم ہو جائے گی، اگر آپ کا بھی خیال ہے تو جائیے امریکہ و یورپ میں ریپ کے ہوش ربا اعداد و شمار پڑھ لیجیے، وہاں ڈی این اے کی قانونی حیثیت مان لینے سے عورت کی ذلت میں ذرا بھر کمی نہیں ہوئی، وہاں کی عورت مسلم معاشروں سے کہیں زیادہ مردوں کی ہوس کا شکار ہے۔ بلکہ یہ ڈی این اے تو منطقی ضرورت اور نتیجہ ہے اس حرام کاری کے تعین کا، جس سے مغرب کے سائنسی اور بزعم خود مہذب معاشرے کا ہر دوسرا فرد استفادہ کرنے پر مجبور ہے۔

پاکستان کا مروّجہ قانون اور ڈی این اے کے مسائل

④ دلچسپ امر یہ ہے کہ پاکستان میں عام مروّجہ / انگریزی قانون کی رو سے بھی میڈیکل اور سائنسی شہادتیں، مثلاً فنگر پرنٹس، پوسٹ مارٹم، ویڈیو اور آڈیو ریکارڈنگز بنیادی شہادت کا درجہ نہیں رکھتیں اور اُن سے معاونت یعنی ضمنی شہادت کا ہی کام لیا جاتا ہے، اس میں علما کو دوش دینے کا کوئی تک نہیں ہے بلکہ اس 'جرم' میں پاکستان کے قوانین اور اس کے ماہر متفق ہیں۔ مثلاً قتل کے کسی کیس میں اگر براہِ راست گواہی سے صورتحال واضح نہ ہو رہی ہو تو اس صورت میں فنگر پرنٹس یا پوسٹ مارٹم رپورٹ سے مدد لی جاتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ان میڈیکل شہادتوں سے کسی مخصوص فعل کا وقوع تو ثابت ہو سکتا ہے لیکن اس کی حتمی نوعیت، جیتے جاگتے انسانوں کی گواہی کے بغیر ممکن نہیں، یہی صورتحال ڈی این اے کے بارے میں بھی ہے۔ ڈی این اے کو اگر نظریاتی کونسل نے ضمنی شہادت قرار دیا ہے تو گویا اس طرح اُنہوں نے اس کے شاہد ہونے کا انکار نہیں کیا، تاہم وقوعہ کے ثبوت میں اسے تائیداً قبول کرنے کی بات کی ہے۔ نامعلوم کیوں ناقدین نے اس بنا پر کونسل اور اس کے ارکان پر گرجنے برسنے اور اُنہیں سائنس سے نابلد ہونے کا طعنہ دینے میں جلدی کی۔ ڈی این اے کے بارے میں یہ بات اُنہیں پیش نظر رکھنا چاہئے تھی کہ اس سے فعل زنا کا ثبوت تو ہو سکتا ہے، تاہم اس سائنسی ٹیسٹ سے یہ کہاں پتہ چلتا ہے کہ یہ فعل رضامندی سے ہوا یا جبر واکراہ اور ظلم کی بنا پر۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں جرائم کی نوعیت اور پاکستان میں ان کی طے شدہ سزائیں بے حد فرق ہے، زنا بالرضا کی سزا محض ۵ سال قید جبکہ زنا بالجبر کی سزا ۲۵ سال یا سزائے موت مقرر کی گئی ہے۔ زنا کی سزاوں کا یہ تعین اور رضا و عدم رضا کی یہ تفریق شریعتِ مطہرہ نے نہیں کی، تاہم دونوں جرائم کی نوعیت ضرور مختلف ہے اور

پاکستان میں رائج الوقت سیکولر قانون دونوں جرائم سے علیحدہ علیحدہ رویہ رکھتا ہے۔ کسی فعل زنا کا جبر واکراہ یا رضامندی سے وقوع پانا، جیتے جاگتے انسانوں یا بعض اوقات دیگر قرائن وحالات کی بنا پر ہی واضح ہوتا ہے۔ اس بنا پر اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ ڈی این اے ایک ضمنی اور تائیدی شہادت ہی ہے اور بنیادی گواہی کے نظام سے مفر ممکن نہیں جس کی بنا پر جرم کی نوعیت کا تعین کیا جائے گا۔

☜ موصوف کالم نگار نے بھی سائنس سے والہانہ عقیدت میں علمائے کرام کو آڑے ہاتھوں تو خوب لیا اور ان پر فقرے بھی کسے لیکن ایک ہفتہ کے بعد ہی اُنہیں اپنے موقف میں کمزوری کا احساس ہو گیا۔ سو کھلا اعتراف کرنے کی بجائے، پھر لگے بہانہ بنانے، چنانچہ ۳ جون کے بعد ۹ جون ۲۰۱۳ء کو اپنے بدنام کالم 'فحاشی برائے فروخت' میں رقم طراز ہیں:

> "گینگ ریپ کا شکار ہونے والی عورت جب ملزم کی نشاندہی کرتی ہے تو وہ ملزم کہتا ہے کہ عورت جھوٹ بولتی ہے، میں تو اس کے قریب بھی نہیں گیا، وہاں ڈی این اے ٹیسٹ سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ ملزم سچا ہے یا جھوٹا۔ اگر وہ جھوٹا ثابت ہوجائے تو اس کے بعد اس بات کا تعین کرنے میں کوئی دقت نہیں کہ زنا مرضی کے ساتھ تھا یا جبر کے ساتھ۔"

یہاں بھی کالم نگار گینگ ریپ (اجتماعی عصمت دری) کے لفظ سے باہر نہیں نکل پائے۔ جبکہ کونسل کی سفارش میں اس کا کوئی ذکر ہی نہیں اور دونوں کے ثبوت کے الگ تقاضے ہیں۔ مزید برآں اُنہوں نے نادانستگی میں اس امر کا اقرار کیا ہے کہ شہادتوں اور قرائن وحالات کی بجائے محض ایک عورت کے کہنے پر، کسی شخص کو زنا بالجبر کی سزا دی جاسکتی ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کوئی بھی عورت پہلے اپنی مرضی سے گناہ کا ارتکاب کرکے، مرد کو اُنگلیوں پر نچا سکتی ہے کیونکہ محض اس عورت کے کہہ دینے سے اس شخص کو جبر کا مرتکب سمجھا جائے۔ کیا پیرزادہ صاحب یہ موقف رکھتے ہیں کہ عورتوں میں اس گناہ کی کوئی خواہش سرے سے پائی ہی نہیں جاتی، حضرت یوسف ؑ اور زلیخا کے مشہور قرآنی اور مرثدؓ وعناق کے احادیث میں موجود قصوں سے لے کر معاشرے میں بہت سی ایسی مثالیں پائی جاتی ہیں جن میں عورت خود مجرم ہوتی ہے۔ یاسر پیرزادہ حقوقِ نسواں کے ایسے علم بردار ہیں کہ وہ عورت کی اکیلی گواہی اور ڈی این اے پر کسی بھی مرد کو لٹکا دینے کی تلقین کر رہے ہیں۔ یہ علم ودانش اور زن پرستی آپ کو ہی مبارک ہو۔

قانون کو تو ایسا منصفانہ ہونا چاہئے کہ اس میں کسی پر بھی ظلم کا امکان نہ ہو۔

اگر کسی عورت کا اکیلا بیان ہی مرد کو مجرم ثابت کرنے کے لئے کافی ہو تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ زنا کے تمام جرائم کا فیصلہ ہر وقت عورت کے ہاتھ میں رہے گا۔ اس بنا پر عورت کا زنا کے الزام میں سزا پانا بھی ناممکن ہو جائے گا، باوجود اس کے کہ اس نے رضامندی سے بدکاری کا ارتکاب کیا ہو۔ عورت جب چاہے گی تو اس کو زنا بالجبر قرار دے کر اپنے آپ کو توبری کرا لے گی لیکن مرد کو زنا کی سنگین سزا سے دوچار کر دے گی۔ نتیجۃً زنا کی سزا عورت کے رحم وکرم پر ہو جائے گی اور یہی حقوق نسواں کے اُن تھک مبلغوں کا ہدف ہے۔ قانون کے ایسے غلط استعمال کی نشاندہی ایک امریکی سکالر نے بھی کی ہے:

> "جن عورتوں کو حدود قوانین کی دفعہ ۱۰(۲) کے تحت (زنا بالرضا کے جرم میں) سزا یاب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، وہ اپنے مبینہ شریکِ جرم کے خلاف دفعہ ۱۰(۳) کے تحت (زنا بالجبر) کا الزام لے کر آجاتی ہیں۔ فیڈرل شریعت کورٹ کو چونکہ ایسا کوئی قرینہ نہیں ملتا جو زنا بالجبر کے الزام کو ثابت کر سکے، اسلئے وہ مرد ملزم کو زنا بالرضا کی سزا دے دیتا ہے اور عورت شک کے فائدے کی بنا پر ہر غلط کاری کی سزا سے چھوٹ جاتی ہے۔"[۱]

عورت کے دعوائے جبر کے ضمن میں شرعی نظام یہ ہے کہ اُس کے اپنی ذات سے بدکاری کی سزا کو رفع کرنے کے لئے تو قرائن اور حالات کا اعتبار کیا جائے گا، جبکہ مرد کو شرعی سزا دلوانے کے لئے چار گواہ ہی ضروری ہیں، تاہم اکیلے قرائن کی موجودگی میں مرد کو کمتر جرائم کی تعزیری سزا دی جاسکتی ہے جیسا کہ سعودی عرب کی شرعی عدالت کا فیصلے بھی موجود ہیں، ایسے ہی زنا بالجبر میں اگر چار گواہ پورے نہ ہوں اور وقوعہ کی نوعیت سنگین تر ہو تو دو گواہوں کی بنا پر ایک فقہی قول کے مطابق، حرابہ ودہشت گردی کی شرعی سزا بھی دی جاسکتی ہے جو زنا کی سزا سے بھی سنگین تر ہے، تفصیل کے لئے حاشیہ دیکھیں۔[۳]

---

۱ کتابچہ 'پاکستان میں عورتوں کی صورتحال': ص ۷۴

۲ اختار أحد القضاة في قضية اغتصاب جماعي لحدث ولم يوجد أي اثر للجناة، دیکھئے http://www.ahlalhdeeth.com/vb/archive/index.php/t-117344.html

۳ يرى الإمام مالك بأنه يجوز قتل الزاني المحارب ولو غير محصن، ولا يشترط في الزنا حرابةً الشروط الواجب توافرها في الزنا حدًا، بعكس الجمهور الذين يرون إقامة حد الزنا متى توافرت شروطه بحيث يجب رجم الزاني المحصن بوصف كونه زانيًا لا بوصفه محاربًا وإذا كان غير محصن فإنه يجب بوصفه زانيًا لا باعتباره محاربًا (العقوبة لمحمد أبوزهرة: ۱۳۹،۱۴۰)

علاوہ ازیں اگر محض ڈی این اے رپورٹ کو ہی کافی سمجھ لیا جائے تو پاکستان جیسے ملک میں ڈی این اے کی جعلی رپورٹ حاصل کرنا کوئی مشکل امر نہیں ہے، ماضی میں ہمارے ہاں کتنے ہی معاملات میں جعلی رپورٹوں کا مسئلہ پیش آتا رہا ہے اور جعل سازی اور کرپشن میں پاکستان دنیا بھر میں سر فہرست ہے۔ ٹیسٹوں کی ایسی ہی غیر یقینی صورتحال پر ایک ماہر کی تنقید یوں ہے:

> ڈی این اے ٹیسٹ میں ایک تو وہ فرد ہوتا ہے جو نمونہ حاصل کرتا ہے، ایک وہ فنی ماہر جو اس کو تحلیل کرتا ہے، ایک وہ ڈاکٹر جو کیفیت و نوعیت کا تجزیہ کرکے نتیجہ تحریر کرتا ہے، پھر وہ شخص جو اس رپورٹ کو کمپوز کرتا ہے اور آخر میں وہ شخص جو اس رپورٹ کو وصول کرتا ہے۔ کم از کم پانچ افراد کے ہاتھوں سے گزر کر ڈی این اے کی رپورٹ حاصل ہوتی ہے۔ ان میں کسی بھی شخص کے لئے عمداً، سہواً یا کوتاہی کی بنا پر غلطی کرنے کا امکان موجود ہے۔ اب ایسے ایک معاملے پر کس طرح ایک انسان یا پورے کنبے کی عزت و تشخص کو داؤ پر لگایا جا سکتا ہے۔

⑤ **اسلامی نظریاتی کونسل کی آئینی حیثیت:** ہمارے وطن کا نام 'اسلامی جمہوریہ پاکستان' ہے، جمہوریت کے طور پر یہاں پارلیمانی نظام کام کررہا ہے اور مغربی جمہوریت کو اسلام سے مشرف کرنے کی ایک کوشش کے طور پر اس پارلیمنٹ کو خلافِ اسلام قانون سازی سے منع کردیا گیا ہے، ہمارا کل اسلام اسی قدر ہے۔ کسی قانون کو اسلام مطابق یا خلافِ اسلام قرار دینے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل کا آئینی ادارہ موجود ہے۔ آئین میں یہ قرار بھی دیا جاچکا ہے کہ پاکستان میں اسلام کی عمل داری کا راستہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات و رہنمائی اور تدوین کے علاوہ اور کوئی نہیں، جیسا کہ ۲۲۷ کی شق دوم میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اندریں حالات جمہوریہ پاکستان کے سابقے 'اسلامی' اور قیام پاکستان کا یہ آئینی تقاضا ہے کہ اس ادارے کو تقویت دی جائے۔ مغرب زدہ کالم نگار اس آئینی ادارے کی سفارشات کا یوں مضحکہ اُڑا رہے ہیں جیسے یہ کسی علم و دانش سے پیدل، اسلام کی مالا جپنے والے دقیانوسیوں کا جذباتی مطالبہ ہو جبکہ کونسل کی سفارشات کی یہ اہمیت ہے کہ اگر وہ کسی قانون کو غیر اسلامی قرار دیں تو پارلیمنٹ اس پر نظر ثانی کی پابند ہے۔ روزنامہ 'ڈان' کے 'دقیانوسی سوچ' والے اداریے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی ضرورت پر حرف گیری کی گئی اور اس کو تحلیل کرنے کا مطالبہ کیا گیا ہے، سیکولر دانش وروں کو ایسی جسارتوں سے باز

آنا چاہئے اور پوری قوم کی خواہشات اور مجلس قانون ساز کے تشکیل کردہ متفقہ آئین کی پاسداری کا اپنے آپ میں شعور پیدا کرنا چاہئے۔ ہر دم زبان سے جمہوریت کا راگ الاپنے والوں میں کم از کم اتنی تہذیب تو ہونی چاہئے!!

نظریاتی کونسل کی سفارش کی قانونی وضاحت

⑥ اسلامی نظریاتی کونسل کی حالیہ سفارش پر تنقید کا طوفان کھڑے کرنے والے بظاہر ریپ کا شکار ہونے والی خواتین سے ہمدردی کا اظہار کر رہے ہیں اور خواتین پر سنگین ظلم کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر تو وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ وہ ریپ کے ملزمان کے لئے سنگین ترین سزا کے بھی علم بردار ہوں۔ اور یہ امر ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اسلام کے سوا دنیا کے کسی ضابطے اور قانون میں زنا کی سنگین ترین سزا موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم معاشروں میں شراب نوشی کی طرح عصمت دری کے واقعات کی تعداد بھی انتہائی محدود ہے جبکہ مغربی اور سیکولر معاشروں میں خواتین پر اس ظلم کے اعداد و شمار اندوہ ناک بلکہ ہولناک ہیں، جو اُن سے واقف ہونا چاہے وہ 'محدث' کے اسی شمارے میں مغرب میں عورت کی حالتِ زار اور اس پر جنسی جرائم کے حوالے چشم کشا رپورٹ کا مطالعہ کرلے۔ بھارت میں ریپ کے حوالے سے جو کچھ ماضی قریب میں ہوا، وہ دراصل بھارتی خواتین کے ساتھ ہونے والے ظلم و اندوہ کی ایک جھلک ہے، اس معاشرے کی بھیانک تصویر کے لئے اُردو ڈائجسٹ کے شمارہ اپریل ۲۰۱۳ء میں شائع ہونے والی رپورٹ آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ خواہش نفس کے پجاری اور ملحدانہ تہذیب کے رسیا معاشروں میں یہ ناسور اس شدت سے بڑھتا جارہا ہے کہ وہاں بسنے والے خواتین کا یہ اہم ترین مسئلہ بن چکا ہے۔ اسلام نے اس جرم کو جڑ سے اُکھاڑنے کا ایک مضبوط اور موثر نظام دیا ہے، اور آج سنجیدہ فکر لوگ جو دیگر مذاہب سے تعلق رکھتے ہیں، اسلام کے اس حوالے سے مضبوط موقف کے پیش نظر کئی ممالک میں اِسی کو رواج دینے کے مطالبے کر رہے ہیں۔

اگر ہم اپنے ممدوحین کے بارے میں یہ دریافت کریں کہ وہ اسلامی نظریاتی کونسل کی ایک سفارش کی آڑ میں، مظلوم خواتین سے ہمدردی کا جو ڈھونگ رچا رہے ہیں، کیا وہ بھی اس امر پر آمادہ ہیں کہ اس جرم بد کے مرتکب کو بدترین سزا یعنی سنگسار کیا یا کوڑے مارے جائیں تو اُن

میں کوئی ایک بھی ہاں میں جواب نہیں دے گا، بلکہ وہ فوراً اسلامی سزاؤں کے وحشیانہ اور ظالمانہ ہونے کاراگ الاپنااور دوسری سمت سے اسلام کو رگیدنا شروع کر دیں گے۔

اور اَب توجہ فرمایئے کہ کونسل نے جس دائرہ عمل میں بات کی ہے، وہ اسلام کا نظامِ حدود وتعزیرات ہے، جس کے شرعی تقاضے پورے کرنے کی اُنہوں نے سفارش کی ہے۔ کونسل چونکہ شرعی نظام کے بارے میں رہنمائی فراہم کرتی ہے اور کونسل کا یہ موقف زنا کی شرعی سزا کے نفاذ کے حوالے سے ہی ہے۔ جب ہمارے ناقد حضرات اسلام کے نظامِ حدود وتعزیرات کو ہی نہیں مانتے، اس کو نافذ ہی نہیں کرنا چاہتے، مظلوم عورت کی حقیقی دادرسی کرنے میں مخلص ہی نہیں تو پھر اس شرعی نظامِ تعزیرات کے ایک جز اور لازمہ کو ملحدانہ آنکھ سے کیوں دیکھ رہے ہیں۔ کیا اس پورے عمل میں اُن کا حصہ صرف تنقید برائے تنقید کرکے مسلمانوں کے ایمان واعتقاد سے کھیلنا ہی ہے!!

کونسل نے یہ سفارش اس تناظر میں کی ہے کہ زنا کی شرعی سزا دینے کے لئے چار گواہوں کی موجودگی ضروری ہے، ان چار گواہوں کا قرآنی مطالبہ آگے ذکر ہوگا اور اگر چار گواہ پورے نہ ہوں تو وہاں زنا کی شرعی حد نہیں دی جاسکتی۔ زنا کی شرعی سزا کیا ہے؟ کوڑے + جلاوطنی یا سنگساری... ہمارے ممدوحین شرعی سزا کے تو قائل ہیں نہیں اور اس کے تقاضوں پر لگے ہیں مفت میں چاند ماری کرنے۔

اگر کسی جنسی وقوعہ میں چار گواہ پورے نہیں تو نہ تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ایسے ملزم کو کوئی سزا نہیں دی جاسکتی بلکہ حاکم وقت فحاشی وبے حیائی کا ارتکاب کرنے پر کوئی بھی تادیبی وتعزیری سزا نافذ کرسکتا ہے، مبادیاتِ زنا اور جنسی جرائم کی روک تھام کے لئے کوئی بھی تعزیر مقرر کی جاسکتی ہے، تاہم شرعی احتیاط اس امر میں ہے کہ اس جرم کو زنا کی بجائے کسی کمتر لفظ سے تعبیر کیا جائے۔ یہی صورتحال پاکستانی قانون میں بھی ہے کہ اگر جرم زنا کے شرعی تقاضے پورے ہوں (اور اس میں ڈی این اے، بنیادی اور اکیلی کافی شہادت نہیں) تو اس کو شرعی حد یعنی سنگساری یا کوڑوں کی سزا جاری کی جائے گی، بصورتِ دیگر اس کے لئے تادیبی سزائیں مثلاً ۱۰ ہزار جرمانہ اور ۵ سال قید کی قانون میں موجود تعزیری سزا دی جائے گی۔ جب چار گواہ پورے نہیں، اور شرعی سزا سیکولر لوگ چاہتے بھی نہیں، دوسری طرف ڈی این اے موجود ہے اور دیگر ذرائع شہادت بھی پورے ہیں تو پاکستانی قانون کے تحت اس کو کوئی بھی کم تر سزا دی جاسکتی ہے، یعنی قید ومالی

جرمانہ وغیرہ... اور یہی سیکولر حضرات کا منشا، خواہش اور ماضی کا مطالبہ بھی رہا ہے، تو پھر اعتراض کس بات پر کر رہے ہیں، تنقید کس نکتے پر ہے...؟

یہی بات نظریاتی کونسل کی حالیہ سفارش کے حوالے سے بیرسٹر شاہدہ جمیل نے کہی ہے:

"کم از کم اسے حد (حدود آرڈیننس) میں نہیں تو تعزیری جرم میں تو آنا ہی چاہیے۔" [1]

امر واقعہ میں قانون بھی یہی ہے کہ جیسا کہ قانونِ شہادت ۱۹۸۴ء کے آرٹیکل ۱۷ کی ذیلی شق '۲ بی' میں صراحت کی گئی ہے کہ

"حد زنا کے نفاذ سے قطع نظر، زنا کے مقدمے میں عدالت ایک مرد یا ایک عورت کی گواہی پر تعزیری سزا دے سکتی ہے۔"

مذکورہ بالا شق میں 'حد زنا' کا لفظ قابل توجہ ہے، یعنی زنا کی شرعی سزا سے قطع نظر، شرعی ثبوت پورے نہ ہونے کی بنا پر زنا کی سیکولر قانون والی سزا دی جاسکتی ہے... پھر عدالت کو یہ بھی اختیارات حاصل ہیں کہ وہ اگر مناسب سمجھے تو جرم زنا کے اثبات کے لئے گواہوں کی تعداد اور اہلیت کے متعلق بھی فیصلہ کرے۔ عدالتِ عالیہ نے ایک مقدمہ میں اس اصول کی حسبِ ذیل الفاظ میں صراحت کی ہے:

"قرآن وسنت کے ساتھ ساتھ مقدمہ کے حالات وواقعات کے پیش نظر گواہوں کی تعداد اور اہلیت کے تعین کا اختیار عدالت کو حاصل ہے۔" [2]

ایک توجیہ تو وہ ہے جو اوپر درج کی گئی کہ جرم کی نوعیت کی بنا پر سزا کی نوعیت میں تبدیلی کی جائے یعنی شرعی تقاضوں کی تکمیل پر عین شرعی سزا اور کمتر ثبوتوں کی بنا پر کمتر، تعزیری سزا، یہ شرعی اور انگریزی قانون میں مفاہمت پیدا کرنے کی ایک تاویل ہے... اس کا ایک پہلو اور بھی ہے اور وہ یہ کہ پاکستان کے نظامِ تعزیرات میں زناکاری کے جرائم پر دو طرح کے قوانین موجود ہیں: انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اور اللہ کی نازل کردہ شریعت۔ ماضی میں حدود آرڈیننس کی بنا پر شریعتِ اسلامیہ کو انسانی وضعی قوانین پر برتری حاصل ہوگئی تھی جو عین اسلامی تقاضا تھا، کیونکہ اسلامی قوانین کی موجودگی میں انگریزی قوانین پر عمل درآمد کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا اور پاکستان کا خطہ اسی مقصد کے لئے حاصل کیا گیا تھا کہ یہاں انگریزی نظام وقانون سے

1 بغاوت ملٹی میڈیا: ۱۳۱ مئی ۲۰۱۳ء

2 پاکستان کریمنل لاء جرنل ۱۹۹۲ء: صفحہ ۱۵۲۰

چھٹکارا حاصل کرکے، اللہ کی شریعت کو نافذ کیا جائے گا۔

حدود قوانین کی معاصر انگریزی قانون پر برتری کی بنا پر ماضی میں کئی فیصلوں میں عدالتوں نے حدود قوانین پر عمل درآمد کرایا تھا، جس کو نام نہاد تحفظ نسواں بل ۲۰۰۶ء نے ختم کرکے، دونوں قوانین کو متوازی طور پر جاری کردیا بلکہ عملاً شرعی سزا کا نفاذ انتہائی مشکل کرنے کے لئے بھی قانونی ترامیم منظور کی گئیں، جس کے بعد عملاً انگریزی قانون جاری وساری ہوگیا۔ جب دسمبر ۲۰۱۰ء میں وفاقی شرعی عدالت نے 'تحفظِ نسواں بل ۲۰۰۶ء' کے خلافِ اسلام ہونے کا فیصلہ [نمبر۱۔ آئی ۲۰۱۰] دیا، تو اس وقت عدالت نے نکتہ نمبر ۱۷۱ کے تحت یہ بھی مطالبہ کیا کہ

"قرآن وسنت کی رو سے جو جرائم حدود کے زمرے میں آتے ہیں اور ان کی سزا قرآن وسنت میں مذکور ہے، ان تمام جرائم میں مددگار یا اُن سے مماثلت رکھنے والے جرائم بھی حدود کے زمرے میں آتے ہیں۔ اور حدود یا اس سے متعلقہ تمام جرائم پر جاری کئے گئے فوجداری عدالت کے احکامات کی اپیل یا نظر ثانی کا اختیار بلا شرکت غیرے وفاقی شرعی عدالت کو ہی حاصل ہے۔ ایسے ہی حدود جرائم پر ضمانت کے فیصلے کی اپیل بھی صرف اسی عدالت میں ہی کی جائے۔

عدالت نے ان جرائم کی فہرست مرتب کرتے ہوئے جو حدود کے زمرے میں آتے ہیں، ان جرائم کو بھی اس میں شامل کردیا ہے جو اس سے قبل مجموعہ تعزیرات پاکستان کے تحت آتے تھے۔ مجموعی طور پر ان جرائم کی تعداد ۱۰ شمار کی گئی ہے: زنا، لواطت، قذف، شراب، سرقہ، حرابہ، ڈکیتی، ارتداد، بغاوت اور قصاص / انسانی سمگلنگ۔"

گویا عدالت کا مطالبہ تھا کہ ان جرائم پر معاصر انگریزی قانون کی بجائے شرعی قانون کو لاگو کیا جائے اور ان کے کیسز بھی شرعی عدالت میں چلائے جائیں۔ وفاقی شرعی عدالت کا یہ فیصلہ آجانے کے بعد چونکہ ماتحت عدالتیں اس کی پابند ہوتی ہیں، اس بنا پر یہ طے پاگیا کہ ایسے کیسز کی اپیل وغیرہ کو وفاقی شرعی عدالت میں لایا جائے۔ اَب شرعی عدالت کے ۲۰۱۰ء کے اس فیصلے کی تائید ہی اسلامی نظریاتی کونسل کی حالیہ سفارش سے ہوئی ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش اور شریعتِ اسلامیہ

⑦ اوپر آپ سیکولر لابی کے پروپیگنڈے اور اس کا تجزیہ پڑھ آئے ہیں، قانونی حیثیت سے بھی

1 مثلاً دیکھیں PSC ۱۹۸۶ء کا فیصلہ نمبر ۱۲۲۸ اور پاکستان کریمنل لاء جرنل، فیصلہ نمبر ۱۰۳۰

اس کا جائزہ لیا جاچکا ہے۔ جہاں تک شریعتِ اسلامیہ کا تعلق ہے تو قرآن کریم میں فعل زنا کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کا صریح مطالبہ تین مقامات پر موجود ہے:

﴿ وَالّٰتِىْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ﴾[1]

"وہ عورتیں جو بے حیائی کا راستہ اختیار کریں تو ان پر چار گواہ پیش کرو..."

﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ ﴾[2]

"وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر بہتان تراشی کریں اور پھر چار گواہ پیش نہ کریں تو انہیں قذف کی سزا کے طور پر ۸۰ کوڑے مارو اور کبھی اُن کی گواہی قبول مت کرو۔"

﴿ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴾[3]

"اُنہوں نے اس (الزام) پر چار گواہ کیوں پیش نہیں کئے، اگر وہ گواہ نہیں لائے تو وہ اللہ کے نزدیک جھوٹے شمار ہوں گے۔"

توجہ طلب امر یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں چار گواہیوں کا دو ٹوک لفظ تین مقامات پر آیا ہے اور ان تینوں مقامات پر خواتین کے دفاع کے سیاق میں قرآنِ کریم نے یہ مطالبہ پیش کیا ہے۔ نامعلوم پھر کس طرح جاوید غامدی، قرآن کریم کے نام پر چار گواہیوں کے مطالبے سے انحراف کر کے زنا کے ثبوت کے لئے اکیلے ڈی این اے کو کافی قرار دے رہے ہیں۔ ان کا قرآنِ کریم کو میزان ماننے اور اسے کسوٹی تسلیم کا دعویٰ کدھر گیا...؟

احادیثِ نبویہ میں بھی ہلالؓ بن اُمیہ اور سعدؓ بن عبادہ کے واقعات[4] وغیرہ میں چار گواہوں کا مطالبہ صریح الفاظِ نبوی میں موجود ہے۔ پھر سیدنا عمرؓ اور سیدنا مغیرہؓ بن شعبہ کا مشہور واقعہ بھی موجود ہے، جس میں مغیرہ پر زنا کی تہمت میں چوتھے شخص کی گواہی پوری نہ ہوئی تھی...

أن أبا بكرة و نافع بن الحارث و شبل بن معبد شهدوا على المغيرة بن شعبة بالزنى عند عمر بن الخطاب و لما لم يصرح زياد بذلك بل قال: رأيت أمرًا قبيحًا فرح عمر وحمد الله و لم يقم الحدّ عليه

۱ سورۃ النساء:۱۵

۲ سورۃ النور:۴

۳ سورۃ النور:۱۳

۴ سنن نسائی: رقم ۳۴۶۹ اور صحیح مسلم ۱۴۹۸

"ابو بکرہ، نافع بن حارث اور شبل بن معبد نے سیدنا عمر کو مغیرہ بن شعبہ کے زنا کی گواہی دی، تاہم زیاد نے صریح فعل زنا کی گواہی نہ دی اور کہا کہ میں نے ایک برا منظر دیکھا ہے، اس پر عمر مسرور ہوئے، اللہ کی تعریف بیان کی اور حد شرعی قائم نہ کی۔"[1]

حَدَّ عُمَرُ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ الثَّلَاثَةَ الَّذِينَ شَهِدُوا عَلَى مُغِيرَةَ بْنِ شُعْبَةَ وَهُمْ أَبُو بَكْرَةَ وَشِبْلُ بْنُ مَعْبَدٍ وَنَافِعُ بْنُ الْأَزْرَقِ بِمَحْضَرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ فَصَارَ إِجْمَاعًا [2]

"سیدنا عمرؓ نے باقی تین گواہوں پر تہمت کی حد جاری کی تھی، ان تین کے نام ابو بکرہ، شبل بن معبد اور نافع بن ازرق ہے۔ یہ تہمت کی حد صحابہ کرام کے مجمع میں لگائی گئی اور کسی نے اس پر انکار نہ کیا، سو اس پر صحابہ کرام ؓ کا اجماع قرار پایا۔"

سزائے زنا میں قرائن کا عدم اعتبار: ایک موقع پر رسالت مآب ﷺ کو ایک کیس میں مضبوط قرائن کی بنا پر زنا کا یقین ہو گیا، اور آپ نے اپنے صحابہ کو زنا کے نتیجے میں ہونے والے حمل کی مماثلت کی بھی توجہ دلائی، لیکن اس موقع پر ایک تاریخ ساز جملہ ارشاد فرمایا:

«لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُهَا»[3] "اگر میں کسی کو بغیر 'بینہ' (گواہوں کے، (محض قرائن کی بنا پر) رجم کرنے والا ہوتا تو اس عورت کو سنگسار کرتا..."

شریعت کے نظام جرم وسزا میں ثبوت جرم کے اسالیب میں شہادتوں کے علاوہ قرائن کو بھی خاص وزن حاصل ہے۔ ظاہری مشابہت کی مستند سائنسی شکل فی زمانہ ڈی این اے کی شکل میں سامنے آئی ہے، لیکن اس کے مستند ہونے کے باوجود اس کی حیثیت اعلیٰ ترین قرینہ سے بڑھتی نہیں اور اسے بینہ یعنی گواہوں کے مساوی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نبی کریم نے یہی بات اوپر مذکور حدیث میں فرمائی ہے، کہ ایک وقوعہ کے بارے میں آپ ﷺ کا رجحان متعین ہو جانے کے باوجود بھی اللہ کے دیے نظام میں شرعی تقاضے پورے کرنا ضروری ہیں۔

شریعتِ اسلامیہ میں ڈی این اے سے بھی قوی قرینہ کو زنا کی سزا کے لئے کافی نہیں مانا گیا، اور وہ ہے: شوہر کی غیر موجودگی میں عورت کا حاملہ ہو جانا، جبکہ عورت زنا سے منکر یا حمل میں شبہ کی دعویدار ہو۔ فقہ اسلامی میں اس مسئلہ کی تفصیل موجود ہے اور جمہور فقہا: حنفیہ، شافعیہ

1 مصنف ابن ابی شیبہ: ۵/۵۴۴، ارواء الغلیل از البانی: ۲۳۶۱، صحیح فقہ السنۃ: ۴/۳۴، صحیح
2 تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق: ۹/۲۰
3 صحیح مسلم: ۲۷۵۱

اور حنابلہ کا یہی موقف ہے کیونکہ عورت سے جبر اور دیگر امکانات بھی ہوسکتے ہیں:

لجواز أن يكون من وطء شبهة أو إكراه، والحد يدرأ بالشبهة[1]

"اس بنا پر کہ جبر یا شبہ کی بنا پر مواصلت ہوئی اور حد شرعی شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتی ہے"

جبکہ مالکیہ اور حنابلہ (ایک قول میں) حمل کو زنا کے لئے کافی دلیل مانتے ہیں، صحیح بخاری میں سیدنا عمرؓ کے اس فرمان کی بنا پر: الرجم حق علىٰ من زنى إذا أحصن من الرجال والنساء إذا قامت البينة أو الحبل أو الاعتراف[2] جبکہ اس سلسلے میں قولِ فیصل علامہ ابن تیمیہ اور ابن قیم کا ہے کہ حمل اس وقت دلیل نہیں ہوگا جب عورت زنا کا انکار کرے اور حمل میں شبہ کا دعویٰ کرے، اور ان کی دلیل سیدنا علیؓ کا وہ فیصلہ ہے جس میں انہوں نے ایک عورت کے اعترافِ زنا پر پوچھا: کیا تمہیں کسی نے مجبور تو نہیں کیا تھا، کیا تم غفلت میں سوئی پڑی تو نہ تھی؟[3] وغیرہ... سیدنا علی کے یہ سوالات سزائے رجم کو رفع کرنے کے لئے تھے۔

انہی وجوہات کی بنا پر رابطہ عالم اسلامی، مکہ مکرمہ کے ذیلی شعبہ 'مجمع فقہی اسلامی' نے ڈی این اے سے استفادہ کے بارے میں بحث و تحقیق کے بعد درج ذیل موقف پیش کیا:

أوّلاً: لا مانع شرعًا من الاعتماد على البصمة الوراثية في التحقيق الجنائي، واعتبارها وسيلة إثبات في الجرائم التي ليس فيها حد شرعي ولا قصاص؛ لخبر «ادْرَؤُوا الحُدُودَ بالشُّبُهاتِ»....

"اوّل: شرعی طور جرائم کے ثبوت میں ڈی این اے پر اعتماد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اثباتِ جرائم میں اسے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ ماسوائے حد شرعی اور قصاص کے کیونکہ فرمانِ نبوی ہے کہ شبہات کی بنا پر حدود کو مؤخر کردو۔ اور یہ موقف انصاف اور سماجی امن کو یقینی بناتا ہے، اور یہ وسیلہ مجرم کو سزا ملنے اور تہمت زدہ شخص کی بریت کی طرف لے جاتا ہے جو شریعت کے اہم ترین مقاصد میں سے ہیں۔"

مصری ماہر قانون اُستاذ ڈاکٹر رافت عثمان لکھتے ہیں:

والبصمة الجينية تصلح أن تكون قرينة لكن لا تصلح أن تكون دليلًا

---

۱ http://fatwa.islamweb.net/fatwa/index.php?page=showfatwa &Option=FatwaId&Id=28539... موسوعہ فقہیہ کویتیہ: ۴۳/۲۴

۲ صحیح بخاری: ۶۸۲۹، صحیح مسلم: ۱۶۹۱

۳ مصنف عبد الرزاق: ۳۲۶/۷، مسند احمد: ۱۲۱۳، سنن نسائی، صحیح بخاری مختصراً، صحیح فقہ السنہ: ۲۳/۴

على الزنا و أن يقام الحد بسببها... إن القاعدة الشرعية هي درء الحدود بالشبهات، فيدرأ القصاص أيضًا بالشبهات، وهنا البصمة الوراثية يمكن أن تدخل في مجال الشبهات؛ لأنها يمكن أن يحدث الخطأ فيها ... وإنما يمكن أن تكون قرينة قوية تقوّي الأدلة الأخرى[1]

"ڈی این اے قرینہ تو بن سکتا ہے، لیکن وہ زنا کی دلیل وبیّنہ قرار نہیں پائے گا کہ اکیلے اس کی بنا پر حد کو جاری کر دیا جائے۔ کیونکہ شرعی اصول یہ ہے کہ شبہات کی بنا پر حد کو ساقط کر دیا جائے، قصاص بھی شبہ آجانے کی بنا پر ساقط ہو جاتا ہے۔ڈی این اے میں غلطی کے امکان کی بنا پر، جیسا کہ ماہرین اس کی نشاندہی کرتے ہیں، یہ شبہات میں داخل ہو جاتا ہے اور حدود وقصاص شبہ کی بنا پر ساقط ہو جاتے ہیں۔ بایں وجہ ڈی این اے پر حدود وجنایات میں انحصار نہ کیا جائے تاہم یہ ایسا اہم قرینہ ہے جو دیگر دلائل کو تقویت دے سکتا ہے۔"

دراصل اسلام نے زنا کے معاملہ کو بہت سنگین انداز میں لیا ہے۔ اسلام میں زنا کی سزا، اس فعل بد کی ہی سزا نہیں بلکہ اس کو معاشرے میں کھلم کھلا انجام دینے کی بھی سزا ہے۔ اور جو شخص ایسا کرے تو اس کی سزا بھی سنگین ترین ہے کہ اس کو پتھر مار مار کر موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے۔ چنانچہ شریعتِ اسلامیہ کے نظریۂ جرم وسزا میں مسئلہ وقوعہ کے ثبوت کا نہیں جو دیگر جرائم کے لئے محض دو گواہوں سے پورا ہو جاتا ہے اور چار گواہوں کا یہ تقاضا اس جرم کے علاوہ کسی اور میں نہیں ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام اس جرم کی اشاعت پر بھی کنٹرول رکھنا چاہتا ہے، ایسا جرم کرنے والے کو معافی کا موقع بھی دینا چاہتا ہے، اس پر الزام تراشی کی روک تھام کے لئے قذف کی سزا بھی متعارف کرائی جبکہ جو شخص کسی بھی اُصول واخلاق کا لحاظ نہ کرے تو پھر اس کو بد ترین انجام سے دوچار کرکے نشانِ عبرت بنا دیا جائے۔ جہاں تک ڈی این اے کا معاملہ ہے تو اس سے وقوعہ ثابت ہو سکتا ہے، تاہم یہ مسئلہ اکیلے ثبوت کا نہیں، ایک عربی مفتی ابو عبودی لکھتے ہیں:

وليس هذا تشكيكًا في الحقيقه العلمية حول وجود الحمض النووي الـ دي إن إي. ولكن فلسفة التشريع الاسلامي تختلف أحيانًا كليا

1. http://www.onislam.net/arabic/ask-the-scholar/8439/8312/47765-2004-08-01%2017-37-04.html

عن فلسفة التشريع الغربي العلماني غالبًا ما تكون مرتبطة إما بالزنا أو بعمليات الاختلاط التي تحدث عمدًا أو خطأً في حالات الولادة[1]

"ڈی این اے کو زنا میں معتبر شہادت کے طور پر قبول نہ کرنے کی وجہ اس کی سائنسی حقیقت کے اعتراف میں شک کرنا نہیں ہے، بلکہ در حقیقت شریعتِ اسلامی کا فلسفہ ثبوت مغرب کے سیکولر قانون کے اس نظریے سے کلی مختلف ہے جس کا تعلق محض فعل زنا یا مرد و زن کے اختلاط سے ہے، جو کبھی عمداً اور کبھی غلطی سے ولادت کی صورت میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔"

واضح ہوا کہ یہاں مسئلہ ڈی این اے کو ثبوت میں معتبر ماننے یا نہ ماننے کا نہیں، جب دو افراد کی گواہی سے اسلامی میں چوری کی سزا ثابت ہو جاتی ہے اور چار سے کم گواہوں سے زنا کی سزا صادر نہیں ہو سکتی تو اس کی وجہ نفس فعل کا ثبوت نہیں بلکہ شارع عزوجل کے پیش نظر دیگر ومتعدد حکم و مصالح ہیں۔ مزید برآں شریعتِ اسلامیہ نے حدود کا نظام قائم کیا، لیکن اسلام ہمیں شبہات کی بنا پر حدود کو ختم کر دینے کی تلقین کرتا ہے، فرمانِ نبویؐ ہے:

«ادْرَءُوا الْحُدُودَ عَنِ الْمُسْلِمِينَ مَا اسْتَطَعْتُمْ»[2]

"جہاں تک ممکن ہو، مسلمانوں سے حدود کو مؤخر کرو۔"

الغرض کسی بھی قسم کی اباحیت و جنسی بے راہ روی کی مجرموں کو سزا ضرور ملنی چاہئے، اگر یہ ظلم کسی سے جبراً یا اجتماعاً ہوا ہے، تو اس سے جرم کی نوعیت سنگین تر ہو جاتی ہے، اور ایسے مجرموں کو سزائے زنا کے ساتھ ساتھ بعض اوقات حرابہ و دہشت گردی کی سزا بھی دینی چاہئے، تاہم حد کی سزا مکمل احتیاط اور شرعی تقاضوں کی تکمیل کی متقاضی ہے، شرعی سزا کی یہ شدت عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر ہی دی جا سکتی ہے۔

اس بنا پر اسلامی نظریاتی کونسل کا یہ موقف درست ہے کہ اکیلے ڈی این اے کی بنا پر زنا کی شرعی سزا نہیں دی جا سکتی تاہم زنا کے لفظ کا اطلاق کئے بغیر، ایسے کسی ملزم کو مبادیاتِ زنا اور بوس و کنار کی تعزیری سزا حاکم وقت نافذ کر سکتا ہے۔ اور یہی ر اسی قدر سیکولر حضرات کا منشا ہے، بایں وجہ میڈیا میں پھیلایا جانے والا سیکولر پروپیگنڈا معنویت و مقصدیت سے خالی، اور قانونی، سماجی اور شرعی مسئلہ میں عوام الناس کو گمراہ کرنا اور اشتعال پھیلانا ہے۔ (ڈاکٹر حافظ حسن مدنی)

---

1 http://ejabat.google.com/ejabat/thread?tid=651e47ce72012941&unsafe=1

۲ سنن ترمذی: ۱۴۸۹

ابو عبد اللہ طارق
اُستاذ جامعہ لاہور اسلامیہ، گارڈن ٹاؤن، لاہور

اُمّتِ مسلمہ میں وجودِ شرک پر شبہات کا ازالہ

شرک سب سے بڑا گناہ ہے، اور انبیا کی دعوت کا مرکزی اور اساسی نکتہ توحید رہا ہے، جیسا کہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے پتہ چلتا ہے۔ پاکستان بھر بالخصوص پنجاب کے بڑے بڑے شہروں میں شرک وبدعت کے اندھیرے مزید گہرے کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ منبر ومحراب پر بعض شخصیات نے چند سالوں سے شرک کے خاتمہ کی جدوجہد کی بجائے، نت نئے بہانوں سے اسے تحفظ دینے اور اس کے لئے عوامی جلسے منعقد کرنے کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ عقیدہ توحید کے نام سے جاری ان سیمینارز میں شرک کے مصداقات کو حیلے بہانے سے محدود تر کرنے، تحریفوں کے چکر میں عوام کو مبتلا کر کے ان کو جہالت میں ہی غرق رکھنے اور اس حوالے سے آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویہ کے مفہوم میں مغالطے پیش کرنے کی کوششیں مسلسل جاری ہیں۔ ان کے استدلال کا بہت بڑا محور یہ ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں فی زمانہ شرک کا وجود ہی ناممکن ہے، اس لئے اس بارے میں حساس ہونے کی چنداں ضرورت نہیں اور جو موحدین شرک کے خاتمہ کی کوششوں میں مصروف ہیں، اُن کے زعم باطل میں وہ ایک لاحاصل جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس طبقہ کو علم دین سے غافل اور جاہل میڈیا کے ذمہ داران کی ہمدردیاں حاصل ہونے کی بنا پر اخبارات اور ٹی وی سکرین کے ذریعے بھی اس غلط فکر کو لگاتار عام کیا جا رہا ہے۔

توحید کے سورج کو گہنانے کی ان مذموم کوششوں کے علمی جواب کے لئے ماہنامہ 'محدث' میں دو تین سال کے عرصے میں کئی ایک تفصیلی اور تحقیقی مضامین شائع کئے گئے ہیں، جن میں اکتوبر ۲۰۱۰ء میں 'اُمتِ مسلمہ میں شرک کا وجود؟'، جون ۲۰۱۱ء میں 'روایت شداد بن اوس اور شرکِ اکبر کا وجود'، جولائی ۲۰۱۲ء میں 'اُمتِ محمدیہ میں شرک اور جہالت کے اندھیرے' کے بعد زیر نظر تحقیقی مضمون شمارہ ہذا میں شائع کیا جا رہا ہے۔ چونکہ یہ مضامین ایک مخصوص طبقے کے پیش کردہ شبہات کی وضاحت کے لئے لکھے گئے ہیں، اس لئے ان میں جزوی مماثلت بھی پائی جاتی ہے، تاہم ہر ایک مضمون اپنی جگہ جداگانہ موضوعات کا احاطہ کرتا ہے۔ مشترکہ عنوانات کی نشاندہی حاشیہ میں بھی کر دی گئی ہے اور تکرار سے بچنے کے لئے بعض دلائل کو حذف بھی کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد آئندہ بھی عقیدہ توحید کے حوالے سے جاری گمراہ کن، مشرکانہ کوششوں کے علمی محاسبہ اور وضاحت کے لئے بھی مزید مضامین شائع کئے جاتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ، اگر قارئین کے ذہنوں میں اس کے متعلق سوالات ہوں تو وہ ادارہ محدث کو ارسال کریں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اُمتِ اسلامیہ میں شرک کا خاتمہ ہو اور توحید وسنت کا پرچم ہر سو لہرائے۔ ح م

قرآن وسنت کے مجموعی دلائل کو سامنے رکھیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں ایسے لوگ ہمیشہ رہیں گے جو حق پر قائم رہ کر توحید کی نعمت کو سینوں سے لگائے رکھیں گے اور ایسے لوگ بھی ہوں گے جو راہِ راست سے بھٹک کر شرک وخرافات کی ظلمت میں صراطِ مستقیم کو کھو دیں گے۔ ماضی میں لوگوں کے حالات کا جائزہ لیں تو بھی یہی حقیقت کھلتی ہے۔ علما وائمہ دین نے اپنے اپنے زمانوں میں اس صورتِ حال کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس کو آشکار کیا اور اس کے سدباب کے لئے کوششیں بھی کیں اور عصر حاضر میں بھی حالات یہی گواہی دے رہے ہیں بلکہ اب تو زہر ہلاہل کو قند کے نام سے پیش کر کے یہ دعویٰ بھی کیا جانے لگا ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں شرک پایا جا سکتا ہے اور نہ ہی کوئی مسلمان اس میں مبتلا ہو سکتا ہے اور نہ ہمارے اس دور میں اس کا کوئی خوف ہے لیکن جب مدمقابل کے جوابات اور دلائل کے سامنے اُنہیں اپنی بے بسی صاف نظر آتی ہے تو مختلف پینترے بدلتے ہوئے موجود دور میں اس اُمت کے اندر شرکِ خفی پائے جانے کا اقرار کرتے ہوئے شرک اکبر کو قربِ قیامت کے ساتھ خاص قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے اور کبھی مجبور ہو کر ہمارے اس دور میں بھی شرک اکبر کے پائے جانے کے امکان کو تسلیم کرتے ہوئے کہہ دیا جاتا ہے کہ اگر کہیں شرک اکبر ہوا بھی تو قلیل مقدار میں ہوگا یعنی نہ ہونے کے برابر، اتنا زیادہ نہیں ہے کہ اس دور میں یہ امت مسلمہ کا (اہم) مسئلہ ہو۔ اور پھر جاہل عوام کو دھوکہ دیتے ہوئے بعض احادیث کا مفہوم ومطلب بگاڑ کر یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہم جو کچھ بھی کر رہے ہیں یہی تو خالص توحید ہے لیکن حقیقت میں یہ ایسی شیطانی چال ہے کہ لوگوں کے سامنے بدی بھی نیکی کے رنگ میں اس طرح پیش کی جائے کہ دلوں سے احساسِ گناہ ہی جاتا رہے۔

نبی اکرم ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق اس اُمت میں سے بھی لوگ پہلی اُمتوں کے نقش قدم پر چل کر شرک وبدعات کی گمراہی میں مبتلا ہو گئے، اس کا مشاہدہ مزارات، آستانوں اور درگاہوں پر بخوبی کیا جا سکتا ہے اور اس کو سندِ جواز بخشنے بلکہ صراطِ مستقیم قرار دینے کے لئے اس کے دل دادہ حضرات جو عذرِ گناہ تراش رہے ہیں، یہ بھی اہل علم ونظر پر مخفی نہیں ہے۔

سردست بعض حضرات کی طرف سے اپنے اس دعویٰ کے اثبات کے لئے جو بعض شبہات پیش

کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے، وہ تجزیہ سمیت ہدیہ قارئین[1] ہیں:

مغالطہ نمبر ۱

عوام کو دھوکہ دیتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ احادیث میں جو یہ خبر دی گئی ہے کہ "اس امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو پہلی اُمتوں کے نقش قدم پر ایسے چلیں گے جیسے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے برابر ہوتا ہے۔"[2] تو اس سے مراد دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ شرک کے علاوہ باقی چیزوں میں تو یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلیں گے، البتہ شرک میں ایسا نہیں کر سکتے اور نہ ہی اس کا کوئی خوف ہے لیکن حقائق ان کے اس دعویٰ کو رد کر دیتے ہیں:

① آپ ﷺ اپنی بیماری کی حالت اور زندگی کے آخری ایام میں پہلی قوموں کے اپنے انبیا وصلحا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کا تذکرہ کرتے اور ان پر لعنت کرتے ہیں اور اپنی اُمت کو ایسا کرنے سے ڈراتے اور منع فرماتے ہیں اور اسی خوف کی وجہ سے آپ ﷺ کی قبر کو کھلا نہیں چھوڑا گیا۔[3]

② مزید برآں درج ذیل حدیث میں بھی بنی اسرائیل کے شرک کا تذکرہ کرنے کے بعد اس اُمت کے لوگوں کی اس میں ان کی پیروی کرنے کی پیشین گوئی کی گئی ہے:

عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ أَنَّهُمْ خَرَجُوا عَنْ مَكَّةَ مَعَ رَسُولِ الله ﷺ إِلَى حُنَيْنٍ قَالَ: «وَكَانَ لِلْكُفَّارِ سِدْرَةٌ يَعْكُفُونَ عِنْدَهَا وَيُعَلِّقُونَ بِهَا أَسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ أَنْوَاطٍ قَالَ: فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ خَضْرَاءَ عَظِيمَةٍ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ الله! اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ فَقَالَ رَسُولُ الله ﷺ: قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا

۱ ان حضرات کی جانب سے بیان کی جانے والی شرک کی تعریف اور اس کا رڈ، نیز اُمتِ مسلمہ میں شرک کے وجود کے حوالے سے مزید دلائل کے لیے ماہنامہ 'محدث' اکتوبر ۲۰۱۰ء اور انٹرنیٹ پر 'محدث فورم' میں سرچ کریں: 'امتِ مسلمہ میں شرک کا وجود'

۲ صحیح بخاری:۷۳۲۰؛ صحیح مسلم:۲۶۶۹

۳ صحیح بخاری:۴۳۵، ۱۳۹۰؛ صحیح مسلم:۵۲۹، ۵۳۱، ۵۳۲

لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ، إِنَّهَا لَسُنَنٌ لَتَرْكَبُنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ سُنَّةً سُنَّةً»[1]

اور یہی حدیث معجم کبیر میں: "ونحن حديثو بكفر وكانوا أسلموا يوم الفتح"[2] کے الفاظ سے مروی ہے:

"ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے دن نئے مسلمان ہونے والے لوگ (بھی) آپ ﷺ کے ساتھ مکہ سے (جنگِ) حنین کی طرف نکلے اور کفار کے لئے بیری کا درخت تھا جسے 'ذات انواط' کہا جاتا تھا، جس کے پاس وہ عبادت کے لئے ٹھہرتے اور اس پر اپنا اسلحہ لٹکایا کرتے تھے، پس ہم بھی ایک بہت بڑی سرسبز وشاداب بیری کے پاس سے گزرے تو کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ آپ ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط مقرر کردیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تم نے ایسی بات کہی ہے جیسی کہ موسیٰ کی قوم نے کہی تھی کہ ہمارے لئے ایک الٰہ مقرر کردے جیسا کہ ان کے لئے الٰہ ہیں تو موسیٰ نے کہا: یقیناً تم جاہل قوم ہو۔"

(پھر آپ ﷺ نے فرمایا:) یاد رکھو تم لوگ ضرور بالضرور پہلے لوگوں کے نقش قدم پر چلوگے اور ان کا ایک ایک طریقہ (یعنی ہر ایک طریقہ) اختیار کرکے رہوگے۔

وثن کی عبادت: اور انہی احوال وخطرات کے پیش نظر آپ ﷺ دعا کیا کرتے تھے:

③ «اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا لَعَنَ اللهُ قَوْمًا اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ»[3]

شیخ عبدالحق حنفی دہلوی حدیث کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں:

---

1 جامع ترمذی: ۲۱۸۰؛ سنن کبریٰ از امام نسائی: ۱۱۸۵؛ مسند حمیدی: ۸۴۸، مصنف عبدالرزاق: ۱۱/ ۳۶۹؛ مسند احمد: ۲۱۸/۵، واللفظ له وقال شعيب الأرنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين، مسند احمد بتحقیقه: ۲۲۶/۳۶، طبع ثانی موسسہ الرسالہ، بیروت

2 المعجم الکبیر للطبرانی: ۳۲۱۸

3 مصنف عبدالرزاق: ۸/ ۴۶۴؛ مسند احمد: ۲/ ۲۴۶؛ مسند حمیدی: ۱۰۲۵؛ التمہید از ابن عبدالبر: ۲/ ۳۲۷، وقال محققه عبدالرزاق المهدی: اسناده لا بأس به

فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: «اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي وَثَنًا يُعْبَدُ»[1]
"اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنا کہ لوگ اس کو پوجنے لگیں۔ پھر فرمایا: اس قوم پر خدا کا غصہ نازل ہوا جس نے اپنے انبیا کی قبروں کو مساجد بنالیا۔"[2]

اور غلام رسول سعیدی بریلوی اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

"اور فرمایا: "اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنا جس کی عبادت کی جائے۔"[3]

علامہ طیبی اور ان سے ملا علی قاری حنفی اسی حدیث کے تحت راقم ہیں:

أي لاتجعل قبري مثل الوثن المعبود في تعظيم الناس وعودهم للزيارة إليه بعد بدئهم واستقبالهم نحوه في السجود كما نسمع ونشاهد الآن في بعض المزارات والمشاهد[4]

"اے اللہ! میری قبر کو بت کی طرح نہ بنا دینا کہ جس طرح لوگ بتوں کی تعظیم کرتے، بار بار اُن کی زیارت کرتے اور سجدوں میں ان کی طرف توجہ کرتے ہیں، جیسا کہ بعض مزارات و مشاہد کے بارے میں ہم سنتے اور دیکھتے ہیں۔

④ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاتتخذوا قبري وثنا»[5]

"(میری اُمت کے لوگو!) میری قبر کو بت نہ بنانا۔"

یاد رہے کہ احمد رضا خان بریلوی الزواجر عن اقتراف الکبائر (جلد اول، کتاب الصلوۃ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قوله ﷺ: «لا تتخذو اقبري و ثنا يعبد بعدي» أي لا تعظموه تعظيم غيركم لأوثانهم بالسجود له أو نحوه فإن ذلك كبيرة بل

---

1. التمہید از ابن عبد البر: ۲/ ۳۲۶، عن عطاء ابن یسار عن ابی سعید الخدری موصولا وقال الہدی: اسنادہ حسن، وفی الموطا للامام مالک، باب جامع الصلاۃ، السفر، رقم الحدیث ۵۷۰ عن عطاء مرسلا
2. مشکوٰۃ شریف مترجم: ۱/ ۱۶۳، از شیخ عبد الحق حنفی دہلوی، طبع محمد سعید اینڈ سنز مطبع سعیدی، کراچی
3. نعمۃ الباری: ۲/ ۱۹۰
4. شرح الطیبی: ۳/ ۹۶۰؛ مرقاۃ: ۲/ ۲۲۵، دوسرا نسخہ: ۲/ ۲۲۸
5. التمہید لابن عبد البر: ۲/ ۳۲۷، وقال الہدی: حدیث صحیح

کفر بشرطہ

"رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ میرے مزارِ اقدس کو پرستش کا بت نہ بنانا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی تعظیم سجدہ یا اس کے مثل نہ کرنا جیسے تمہارے اغیار بتوں کے لئے کرتے ہیں کہ سجدہ ضرور کبیرہ ہے بلکہ نیت عبادت ہو تو کفر ہے۔ والعیاذ باللہ [1]

⑤ اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ۝٣٠﴾ [2]

"تو دور ہو بتوں کی پالیدگی سے اور بچو جھوٹی بات سے۔"

وَثن کا مفہوم: امام ابن عبد البر راقم ہیں:

"وثن بت ہے، خواہ سونے چاندی کی مورتی ہو یا کسی اور چیز کا مجسمہ۔ اللہ کے علاوہ ہر وہ چیز جس کی عبادت کی جائے، وہ وثن ہے خواہ وہ بت ہو یا کوئی اور چیز۔ عرب لوگ بتوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔ پس رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت پر خوف زدہ تھے کہ یہ بھی (ان چیزوں میں) گذشتہ اُمتوں کے نقش قدم پر نہ چل پڑیں جب ان میں کوئی نبی فوت ہو جاتا تو وہ اس کی قبر کے گردا گرد عبادت کے لئے جم کر بیٹھ جاتے جیسا کہ بت کے ساتھ کیا جاتا ہے تو نبی ﷺ نے دعا کی، اے اللہ! میری قبر کو بت نہ بنانا کہ جس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے، سجدہ کیا جائے اور عبادت بجالائی جائے، ان لوگوں پر اللہ کا شدید غضب نازل ہوا جنہوں نے ایسا کیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم اور ساری اُمت کو گزشتہ امتوں کے اس فعل سے ڈرا رہے تھے جنہوں نے اپنے انبیا کی قبروں کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں اور ان کو قبلہ و مسجد بنا لیا جیسا کہ بت پرست لوگوں نے بتوں کے ساتھ کیا، وہ ان کو سجدہ کرتے، اُن کی تعظیم بجالاتے تھے، اور یہ شرکِ اکبر ہے، اور نبی ﷺ اس کام میں موجود اللہ کی ناراضگی اور غضب کی (اپنی امت کو) خبر دیتے ہیں اور اس بات کی بھی کہ آپ ﷺ ان کاموں کو پسند نہیں

---

١ فتاویٰ رضویہ: ٢٢/ ٤٧٦، رضا فاؤنڈیشن لاہور

٢ سورۃ الحج: ٣٠

کرتے اور آپ ﷺ اپنی اُمت کے بارے میں فکر مند بھی تھے کہ یہ بھی یہود و نصاریٰ کی پیروی میں ان طریقوں کو نہ اپنالیں اور آپ ﷺ اہل کتاب اور کفار کی مخالفت کو پسند کرتے تھے اور آپ کو اپنی اُمت پر ان کی اتباع کا خوف بھی تھا۔ کیا تم لوگ آپ ﷺ کے اس فرمان کو نہیں دیکھتے جو عار دلانے اور ملامت کرنے کے انداز میں ہے: "تم ضرور پہلے لوگوں کے طریقوں پر چلوگے جیسا کہ جوتا جوتے کے برابر ہوتا ہے حتیٰ کے ان میں سے کوئی سانڈے کے بل میں داخل ہوا تو تم بھی ضرور اس میں داخل ہو جاؤ گے۔" [1]

غلو: اور پہلی اُمتوں کی پیروی میں شرک و خرافات میں مبتلا کر دینے والی اس ناحق غلو آمیز تعظیم میں اُمت کے مبتلا ہو جانے کے خوف کی وجہ سے ہی آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

۶ «لَا تُطْرُوِنِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارٰى ابْنَ مَرْيَمَ فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُهُ فَقُولُوا عَبْدُ اللهِ وَرَسُولُهُ» [2]

"مجھے حد سے مت بڑھانا جیسا کہ عیسائیوں نے عیسیٰ ابن مریم کو حد سے بڑھا دیا تھا، میں تو صرف اس کا ایک بندہ ہوں بس تم یہی کہا کرو کہ (محمد ﷺ) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔"

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴾ [3]

"اے محمد ﷺ! آپ ﷺ ان سے کہہ دیں کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو مت کرو اور ایسی قوم کی پیروی نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہو چکی ہے۔ اُنہوں نے بہت زیادہ لوگوں کو گمراہ کیا اور وہ خود بھی راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں۔"

۱ التمہید: ۲/۳۴۷، دوسرا نسخہ: ۵/۴۵
۲ صحیح بخاری: ۳۴۴۵
۳ سورۃ المائدۃ: ۷۷

اور یہ ناحق غلو ہی تو تھا کہ انبیا و صلحا کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا، اُن پر عمارتیں بنائیں، عبادت خانے تعمیر کئے۔ یہ لوگ وہاں دعائیں کرتے، منتیں مانتے، نذرونیاز پیش کرتے، چڑھاوے چڑھاتے اور حج کی طرح عرس و میلے لگاتے، ان بزرگوں اور ہستیوں کو فوق الفطرت اختیارات و صفات کا مالک سمجھتے تھے۔ اور عرب کے لوگ بھی زمانہ جاہلیت میں ایسے ہی کیا کرتے تھے اور پھر ذاتی نہیں بلکہ عطائی اختیارات وصفات ہی سمجھتے تھے اور بعض نے تو خدا ہی کہہ ڈالا، اور یہی چیزیں پہلی قوموں کی اتباع میں آج بھی لوگوں میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔

⑦ اسی طرح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قُبُورًا وَلَا تَجْعَلُوا قَبْرِي عِيدًا وَصَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ»[1]

اس حدیث کا ترجمہ شیخ عبدالحق حنفی دہلوی یوں کرتے ہیں:

"اپنے گھروں کو قبروں کی مانند نہ بناؤ اور میری قبر پر عید اور خوشی نہ کرو البتہ مجھ پر درود بھیجو اس لئے کہ تمہارا درود میرے پاس پہنچتا ہے خواہ تم کہیں بھی ہو۔"[2]

اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

هٰذا إشارة الىٰ سدّ مدخل التحريف كما فعل اليهود والنصارى بقبور أنبيائهم و جعلوها عيدًا و موسمًا بمنزلة الحج[3]

"اس حدیث میں تحریف کے اس دروازے کو بند کرنے کی (کوشش) کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ یہود و نصاریٰ اپنے نبیوں کی قبروں کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے انہیں حج کی طرح موسم اور عید بناڈالا تھا۔"

علامہ آلوسی حنفی لکھتے ہیں:

ثم إجماعًا فإن أعظم المحرمات وأسباب الشرك الصلوٰة عندها

---

1 سنن ابوداؤد: ۲۰۴۲؛ مسند احمد: ۲/۳۶۷

2 مشکوٰۃ مترجم: ۱/۲۴۰، طبع محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

3 حجۃ اللہ البالغۃ: ۲/۷۷

واتخاذها مساجدا وبناؤها عليه[1]

"اس پر اجماع ہے کہ سب سے بُری، حرام اور شرک کے اسباب میں سے مزارات کے پاس نماز پڑھنا اور ان پر مسجدیں اور عمارتیں بنانا ہے۔"

چنانچہ احمد رضا خان صاحب بریلوی 'طواف' کے متعلق راقم ہیں:

"وہ بھی مثل نماز عبادت ہے۔"[2]

آستانوں اور درگاہوں پر ہونے والے عرس و میلہ جات جس طرح حج کی مانند موسم اور عید کا منظر پیش کرتے ہیں اور پھر وہاں پر ہونے والے شرکیہ افعال وعبادات بنی اسرائیل کی طرح اس اُمت کے لوگوں میں بھی خرافات و شرکیات در آنے پر روزِ روشن کی طرح واضح ثبوت ہیں۔ چنانچہ سلطان باہو کے مزار پر طواف بلکہ گنتی کرکے سات چکر پورے کیے جاتے ہیں اور پھر مزار پر نذر پوری کرنے، نیاز دینے، منت مانگنے اور دعا کرنے کے بعد ساتھ ہی احاطہ میں موجود بیری کے ایک بہت بڑے درخت کے نیچے بے اولاد اور اولادِ نرینہ سے محروم حضرات اپنے دامن پھیلائے گھنٹوں اس اُمید پر بیٹھے رہتے ہیں کہ جس کے دامن میں بیر کا پھل گرے گا، بابا جی اسے بیٹے سے نوازیں گے اور اگر پتہ گرے گا تو بیٹی ملے گی، عرس کے دنوں میں تو چوبیس گھنٹے یہی صورتِ حال ہوتی ہے اور راقم اس کا عینی شاہد ہے۔

اور شہباز قلندر کے مزار پر تو باقاعدہ حج کیا جاتا اور اسی نیت سے اس کی طرف سفر بھی کیا جاتا ہے اور 'حج فقیر بر آستانہ پیر' کے نام سے تو کتابیں بھی موجود ہیں اور لاہور میں گھوڑے شاہ کے مزار پر تو گھوڑوں کے بت رکھے ہوئے ہیں جن کی پوجا پاٹ ہوتی ہے، بالخصوص عورتیں پیش پیش نظر آتی ہیں اور پاکپتن میں تو بہشتی دروازہ گزر کر لوگ جنت میں بھی چلے جاتے ہیں۔

دوسرا مغالطہ

اور پھر اُمت مسلمہ میں شرک نہ پائے جانے کو ثابت کرنے کے لئے یہ دلیل بھی دی جاتی

۱ روح المعانی: ۱۵/ ۲۳۸

۲ ملفوظات: ص ۷۷

ہے کہ بنی اسرائیل کی اصلاح کے لئے ایک نبی کی وفات کے بعد دوسرا نبی مبعوث ہوتا تھا۔ اب اگر مسلمانوں میں بھی شرک پایا جاسکتا ہے تو پھر نبوت کا دروازہ بند نہ کیا جاتا اور خصوصاً آپ ﷺ کی بعثت ہمارے اس دور میں ہونی چاہیے تھی۔ جبکہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں تو اُمت میں شرک بھی نہیں پایا جاسکتا۔

محترم قارئین! شرک کے لئے بہانے تلاش کرنے والے حضرات کی اس نرالی منطق پر آپ تعجب کیے بغیر نہ رہ سکیں گے کیونکہ شرک کی طرح ارتداد، قتل ناحق، زنا، چوری وغیرہ دیگر جرائم سے منع کرنا اور لوگوں کی اصلاح بھی انبیاے کرام ﷺ کے فرائض بعثت میں شامل ہوتا تھا۔ قوم کو خاص طور پر ناپ تول میں کمی وبیشی سے منع کرنا حضرت شعیب علیہ السلام[1] کی اور اسی طرح قوم کو لواطت سے منع کرنا حضرت لوط علیہ السلام[2] کی بعثت کے اہم مقاصد میں شامل تھا تو کیا ان مفکرین مغالطہ بازی کی جانب سے اُمتِ محمدیہ میں شرک کی طرح اُمت کے لوگوں میں پائے جانے والے دیگر جرائم کے وجود سے بھی انکار کردیا جائے گا یا پھر ان کی اصلاح کے لئے کسی دوسرے نبی کی آمد کا انتظار کیا جائے؟ جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں آسکتا اور شرک سمیت دیگر جرائم بھی اس اُمت کے لوگوں میں پائے جاتے ہیں اور کوئی بھی صاحبِ علم وبصیرت اس کا انکار نہیں کرسکتا اور آپ ﷺ کے بعد دین اسلام قرآن وسنت کی صورت میں محفوظ وموجود ہے اور اس کی راہنمائی میں دین کی تبلیغ واشاعت، کافروں کو دعوتِ اسلام اور شرک سمیت تمام خرافات اور بُرائیوں سے اُمت کی تطہیر واصلاح کی ذمہ داری انبیا کے حقیقی وارث علماے ربانی کے کندھوں پر ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ ''اب دوسرا نبی نہیں تو اس اُمت میں شرک بھی نہیں پایا جاسکتا...'' علم ودانش سے بھی خالی اور سراسر دھوکہ ہے اور لوگوں کے حالات وعقائد بھی اس کی نفی کرتے ہیں۔

---

1 سورۃ الشعراء: ۱۷۶ تا ۱۷۵
2 سورۃ الشعراء: ۱۷۶ تا ۱۹۰

تیسرا مغالطہ

اُمت مسلمہ میں شرک کے پائے جانے کا انکار کرنے والوں کی جانب سے عقبہ بن عامرؓ سے مروی اس حدیث کو... جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَإِنِّي وَاللهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا بَعْدِي وَلَكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنَافَسُوا فِيهَا»[1]

"اور اللہ کی قسم! بے شک مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ تم (سب) میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے لیکن مجھے تم پر یہ خطرہ ہے کہ تم دنیا میں رغبت کرو گے۔"[2]

پیش کر کے کہا جاتا ہے کہ اُمّت مسلمہ کے لوگوں میں شرک نہیں پایا جا سکتا اور نہ ہی اس کا کوئی خوف ہے لیکن یہ حدیث ان حضرات کے مفاد پر ہرگز دلالت نہیں کرتی کیونکہ دوسرے دلائل[3] اور اُمّت کے حالات کو سامنے رکھیں تو اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اُمّت مسلمہ مجموعی طور پر مشرک نہیں ہو گی، البتہ ایسے لوگ ضرور ہوں گے جو شرک کے مرتکب ہوں گے۔

فقہا و علما کا موقف

(الف) علامہ عینی حنفی اس حدیث کے بارے میں راقم ہیں:

قوله «ما أخاف عليكم أن تشركوا بعدي» معناه علىٰ مجموعكم لأن ذلك قد وقع من البعض والعياذ بالله تعالىٰ[4]

(ب) ملا علی القاری حنفی راقم ہیں:

«وإني لست أخشى عليكم» أى علىٰ مجموعكم «أن تشركوا بعد»

1 صحیح بخاری: ۱۳۴۴؛ صحیح مسلم: ۲۲۹۶؛ مسند احمد: ۱۴۹/۴

2 ترجمہ از غلام رسول سعیدی صاحب، نعمۃ الباری: ۵۱۰/۳، طبع اوّل

3 ان دلائل کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: ماہنامہ محدث اکتوبر ۲۰۱۰ء اور انٹرنیٹ پر محدث فورم میں 'اُمّتِ مسلمہ میں شرک کا وجود'

4 عمدۃ القاری: ۲۱۶/۶، دار الفکر بیروت

لأن ذلك قد وقع من بعض[1]

(ج) علامہ ابو العباس احمد بن محمد قسطلانی فرماتے ہیں:

أی ما أخاف علی جمیعکم الاشراك بل علی مجموعکم لأن ذلك قد وقع من البعض[2]

(د) حافظ ابن حجر عسقلانی رقم طراز ہیں:

"قوله «ما أخاف علیکم أن تشرکوا» أی علی مجموعکم لأن ذلك قد وقع البعض أعاذنا الله تعالیٰ"[3]

(ہ) ان تمام عبارات کا ترجمہ ایک جیسا ہی ہے جو کہ مولانا غلام رسول سعیدی صاحب بریلوی کی درج ذیل عبارت میں آجاتا ہے:

"آپ ﷺ نے فرمایا: "مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم میرے بعد مشرک ہو جاؤ گے، اس کا معنی یہ ہے کہ مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ تم مجموعی طور پر مشرک ہو جاؤ گے، اگرچہ بعض مسلمان مشرک ہوگئے، العیاذ باللہ"[4]

حدیثِ عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کے تناظر میں

محترم قارئین! عقبہ بن عامرؓ سے مروی اس مذکورہ بالا حدیث کو عمرو بن عوف انصاریؓ سے مروی درج ذیل حدیث کے تناظر میں بھی دیکھیں اور ان دونوں حدیثوں کا اسلوب بھی بالکل ایک جیسا ہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَوَ اللهِ لَا الْفَقْرَ أَخْشٰی عَلَیْکُمْ وَلٰکِنْ أَخْشٰی عَلَیْکُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا»[5]

"اللہ کی قسم! مجھے تم پر یہ خطرہ نہیں ہے کہ تم فقیر بن جاؤ گے لیکن مجھے تم پر یہ خطرہ

1 مرقاۃ: ۱۱/۳/۱۰۳، دوسرا نسخہ: ۱۱/۲۳۷
2 ارشاد الساری: ۲/۳۴۰، طبع ۱۹۸۸ء بیروت
3 فتح الباری: ۳/۲۷۱
4 نعمۃ الباری: ۳/۵۱۴، طبع الاول
5 صحیح بخاری: ۳۱۵۸؛ صحیح مسلم: ۲۹۶۱

ہے کہ تم پر دنیا فراخ کر دی جائے گی۔"

تو کیا کوئی صاحبِ علم و بصیرت اس حدیث کی بنا پہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں فقر و تنگ دستی نابود ہے، کوئی مسلمان فقیر و تنگ دست نہیں اور نہ ہی کوئی ایسا خطرہ اور اندیشہ ہے؟ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے: "مجھے تم پر تنگ دستی کا خوف نہیں ہے۔" لیکن کوئی بھی عقل مند ایسی بات نہیں کہہ سکتا اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اُمت کے اندر فقر و فاقہ اور اس میں مبتلا فقیر لوگ موجود ہیں بلکہ ذلت آمیز غربت اور ہلاکت خیز تنگ دستی بھی موجود ہے حتیٰ کہ اس وجہ سے خود کشی کے واقعات بھی بکثرت ہو چکے ہیں اور اب بھی ہو رہے ہیں۔ تو کیا یہ مفکرین مغالطہ بازی اُمت مسلمہ میں فقر و تنگ دستی اور غریب لوگوں کے وجود کا بھی انکار کر دیں گے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اس حدیث میں تو اُمت کے مجموعی طور پر فقر و تنگ دستی میں مبتلا نہ ہونے کی خبر دی گئی ہے کہ مسلمان مالدار بھی ہوں گے اور فقیر و تنگ دست بھی البتہ ایسے نہیں ہو سکتا کہ ساری اُمت ہی فقیر و تنگ دست ہو جائے۔

اسی طرح شرک کے معاملے میں بھی ساری کی ساری اُمت مسلمہ کے مجموعی طور پر مشرک نہ بننے کے بارے میں عدم خوف کا اظہار کیا گیا ہے کہ اُمت میں ایسے لوگ ہوں گے جو شرک میں مبتلا ہو جائیں گے اور ایسے بھی کہ جو توحید پر قائم رہیں گے، جیسا کہ علامہ عینی حنفی، ملا علی قاری حنفی، علامہ قسطلانی، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور غلام رسول سعیدی بریلوی کی تصریحات بیان ہو چکی ہیں۔[1] بلکہ آخر الذکر غلام رسول صاحب سعیدی بریلوی نے (دوسرے دلائل کے تناظر میں) حدیث کا ترجمہ ہی یوں کیا ہے:

1 یہی مفہوم و مطلب سنن ابن ماجہ (۴۲۰۵) وغیرہ میں مروی شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب اس روایت کا ہے جس میں مسلمانوں کے سورج، چاند اور بت کی پوجا کرنے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ البتہ یہ بھی یاد رہے کہ سند کے لحاظ سے اس روایت کی شداد رضی اللہ عنہ کی طرف نسبت بھی ثابت نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: ماہنامہ 'محدث' جون ۲۰۱۱ء میں 'روایت شداد بن اوس اور شرک اکبر کا وجود' از راقم اور محدث فورم پر سرچ کریں: 'ملتِ اسلامیہ میں شرک اکبر کا وجود اور روایت شداد بن اوس'

"اور اللہ کی قسم بے شک مجھے یہ خطرہ نہیں ہے کہ تم [سب] مشرک ہو جاؤ گے۔"[1]

اور ان سب نے یہ گواہی بھی دی ہے کہ اس اُمت کے لوگوں میں بھی شرک واقع ہو چکا ہے۔ اور اس کی مزید وضاحت ایک دوسری حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَایَقْبَلُ اللهُ مِنْ مُشْرِكٍ أَشْرَكَ بَعْدَ مَا أَسْلَمَ عَمَلًا حَتّٰی يُفَارِقَ الْمُشْرِكِينَ إِلَى الْمُسْلِمِينَ»[2]

"اللہ تعالیٰ مشرک سے جو اسلام قبول کرنے کے بعد شرک کرے، کوئی عمل قبول نہیں فرماتے، یہاں تک کہ وہ مشرکین کو چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ نہ مل جائے۔"

یہ حدیث بھی مسلمان لوگوں کے شرک میں مبتلا ہو جانے کے بارے میں نص صریح ہے اور "اسلام قبول کرنے کے بعد شرک کرے" اس بات پر واضح دلیل ہے کہ "یہاں تک کہ مشرکین کو چھوڑ کر مسلمانوں کے ساتھ مل جائے" سے مراد یہ ہے کہ شرکیہ عقائد و اعمال اور طور طریقے چھوڑ کر اسلامی عقائد و اعمال کو اپنا لے، اور "اسلام لانے کے بعد شرک کرنے والے کے کسی عمل کو اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے" اس بارے میں واضح ہے کہ یہاں شرکِ اکبر اور اس کے مرتکب لوگوں کی بات ہو رہی ہے کیونکہ شرکِ اکبر پر موت کی صورت میں انسان کے باقی تمام اعمال بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔[3]

جبکہ شرکِ اصغر کی صورت میں وہی عمل ضائع ہو گا جس میں اس کی آمیزش ہو گی نہ کہ باقی بھی تمام اعمال۔ اور مسلمان لوگوں کے شرک میں مبتلا ہونے کے بارے میں درج ذیل آیت کریمہ بھی نص صریح ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ۝﴾[4]

---

1 نعمۃ الباری: ۳/۵۱۰، طبع اوّل

2 سنن ابن ماجہ: ۲۵۳۶

3 الانعام: ۸۸، الزمر: ۶۵

4 سورۃ یوسف: ۱۰۶

"اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود بھی شرک ہی کرتے ہیں۔"[1]

چوتھا مغالطہ

اُمتِ مسلمہ میں شرک نہ پائے جانے کے اپنے من چاہے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے عبدالرحمن بن غنم سے مروی ایک طویل روایت بھی بیان کی جاتی ہے جس میں وہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ابودرداء رضی اللہ عنہ سے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ

"شیطان مایوس ہوگیا ہے کہ جزیرہ عرب میں اس کی عبادت کی جائے۔"[2]

اوراسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ»[3]

اور یہ حدیث مسند احمد (۳۸۴/۳) میں "المسلمون" کے لفظ سے بھی مروی ہے۔ لیکن یہ حدیث بھی ان حضرات کے اس دعویٰ باطلہ کی تائید کرنے سے قاصر ہے۔ نمازی اور مسلمان کے الفاظ سے ان حضرات کا یہ استدلال ہے کہ "شیطان کو یہ مایوسی صرف جزیرہ عرب کے لحاظ سے ہی نہیں ہوئی بلکہ پوری دنیا کے لحاظ سے ہوئی ہے۔"

لیکن یہ دعویٰ سراسر کم علمی اور مغالطہ آرائی ہے کیونکہ اُصولِ فقہ کا معروف اُصول ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے اور اس حدیث میں جزیرہ عرب حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کی بھی قید موجود ہے اور پھر شیطان کی اس مایوسی کا بھی ایک خاص پس منظر ہے۔ یہ اور اس معنیٰ کی احادیث مختلف قیود کے ساتھ ہی ذکر ہوئی ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

1. ترجمہ از مولانا غلام رسول سعیدی، تبیان القرآن: ۸۷۵/۵، طبع رابع، ستمبر ۲۰۰۵ء
2. مسند احمد: ۱۲۶/۴؛ حلیۃ الاولیاء: ۲۶۹/۱؛ سیر اعلام النبلاء: ۲۶۱/۲، مؤسسۃ الرسالۃ وقال محقق شعیب الارنؤوط: اسنادہ ضعیف لضعف شہر ابن حوشب
3. سنن ترمذی: ۱۹۳۷؛ مسند احمد: ۳۱۳/۳، ۳۵۴، ۳۶۶

(الف) جزیرہ عرب

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہی حدیث صحیح مسلم میں 'جزیرہ عرب' کی قید کے ساتھ مروی ہے، جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ»[1]

"یقیناً شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ جزیرۂ عرب میں نمازی اس کی عبادت کریں، لیکن وہ تمہارے درمیان شر انگیزی کرے گا۔"

اور 'حلیۃ الاولیا' (۸/۲۸۲، رقم ۱۲۲۰۸) میں یہی حدیث بأرضکم ھذہ کے الفاظ سے بھی مروی ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی بأرضکم ھٰذہ کے الفاظ کی قید کے ساتھ مروی ہے۔[2]

(ب) حجۃ الوداع

اور پھر مزید یہ بھی کہ یہ حدیث حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں آپ ﷺ کے خطبے کا ایک حصہ ہے۔ حضرت ابوحرہ رقاشی اپنے چچا سے بیان کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ آخِذًا بِزِمَامِ نَاقَةِ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِي أَوْسَطِ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ أَذُودُ عَنْهُ النَّاسَ فَقَالَ:...»

"میں ایام تشریق کے درمیانی دن (یعنی ۱۲ ذوالحجہ کو) رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے، لوگوں کو آپ ﷺ سے دور ہٹا رہا تھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: (پھر خطبہ بیان فرماتے ہیں جس میں یہ الفاظ بھی ہیں) «ألا إن الشيطان قد أيس أن يعبده المصلّون»[3]

اور سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں سے خطاب میں فرمایا:

---

۱ صحیح مسلم: ۲۸۱۲

۲ مسند احمد: ۲/۳۶۸؛ حلیۃ الاولیا: ۷/۹۱، الرقم ۹۷۵۸؛ شعب الایمان للبیہقی: ۵/۴۵۶، الرقم ۶۸۷۸

۳ مسند احمد: ۵/۷۳

"قد يئس الشيطان أن يعبد بأرضكم ولكن رضى أن يُطاع فيما سوٰى ذلك مما تحاقرون من أعمالكم"[1]

"شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ تمہاری اس سرزمین میں اس کی عبادت کی جائے، تاہم اسے خوشی ہے کہ تم اپنی دانست میں چھوٹے اعمال میں اس کے پیروی کرو گے۔"

(ج) شہر مکہ

عمرو بن احوص فرماتے ہیں: سمعت النبي ﷺ يقول في حجة الوداع

"میں نے نبی ﷺ کو سنا، آپ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر فرما رہے تھے (پھر اس موقع پر دیا جانے والا خطبہ بیان فرماتے ہیں جس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ) «ألا إنّ الشيطان قد أيس أن يعبد في بلدكم هذا أبدا»[2]

اور ملا علی قاری حنفی راقم ہیں:

«في بلدكم هذا» أى مكة «أبدًا» أي علانية[3]

قارئین کرام! جزیرہ عرب میں کفر کا زور ٹوٹ چکا تھا، اللہ کا قانون عملاً نافذ اور توحید کا غلبہ تھا، آستانے اُجڑ گئے، شرک کے اڈّے برباد ہو گئے اور ان کے نشانات کو خاک میں ملا دیا گیا تو نبی کریم ﷺ کی زیر قیادت مکہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر توحید سے لبریز اور ایمان میں مضبوط صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عظیم الشان اجتماع اسلام کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت تھا اور دوسری طرف ابلیس لعین کی ناکامی اور بے بسی تھی اور ان پاکباز ہستیوں کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا کر زمانہ جاہلیت کی طرح اس علاقے میں پھر سے کفر و شرک کا غلبہ و تسلط قائم کرنے اور اُمت محمدیہ کو مجموعی طور پر شرک میں مبتلا کر دینے کی ابلیس لعین کو کوئی راہ سجھائی نہیں دے رہی تھی اور اس کی سوچ پر مایوسی کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے تو اس موقع پر آپ ﷺ نے شیطان کی اس

1 مستدرک حاکم، رقم ۳۲۱، دوسرا نسخہ ۱/۹۳

2 سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۵؛ سنن کبریٰ از امام نسائی: ۱۱۲۱۳؛ سنن ترمذی: ۲۱۵۹

3 مرقاۃ: ۵/۵۷۴، دوسرا نسخہ: ۵/۳۷۴

وقت کی اسی ذہنی کیفیت ومایوسی کو بیان کیا ہے کہ اس وقت اس کی حالت یہ ہے، چنانچہ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

إنه يئس أن يجتمعوا كلهم علي الكفر الأكبر[1]

"شیطان اس بات سے مایوس ہوا ہے کہ (اس اُمت کے) سب (لوگ) کفر اکبر پر جمع ہو جائیں۔"

تطبیق احادیث

شیخ محمد بن صالح العثیمین "قبیلہ دوس کی عورتوں کے ذی الخلصہ کا طواف کرنے" اور "شیطان کے جزیرہ عرب میں اپنی عبادت سے مایوسی" ان دونوں حدیثوں کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

إن يأس الشيطان أن يعبد في جزيرة العرب لا يقتضي عدم الوقوع لأنه لا يعلم الغيب، فالشيطان لما رأى تخليص الجزيرة من الشرك وتوطيد دعائم التوحيد ظن أن لا شرك في الجزيرة بعد هذا ولكن النبي ﷺ الذي ينطق بالوحى من الله تعالىٰ أخبر أنه سيكون ذلك. نیز راقم ہیں:

يأس الشيطان أن يعبد في جزيرة العرب لا يدل علىٰ عدم الوقوع لأنه لما حصلت الفتوحات و قوي الإسلام و دخل الناس في دين الله أفواجًا أيس أن يعبد سوٰى الله في هذه الجزيرة فالحديث خبر عما وقع في نفس الشيطان ذلك الوقت ولكنه لا يدل على انتفائه في الواقع[2]

"شیطان کی اپنی عبادت سے مایوسی اس کے عدم وقوع پر دلالت اور اس کا تقاضا نہیں کرتی کیونکہ جب فتوحات (عام) ہوئیں، اسلام مضبوط ہو گیا، لوگ فوج در فوج

۱ مجموعہ الرسائل والمسائل النجدیہ: ۴/۴۸۷، ۴۸۲

۲ مجموع فتاویٰ ورسائل ابن عثیمین: ۲/۲۰۴، ۲۰۵، طبع ۱۴۱۳ھ دار الوطن، دار الثریا

اسلام میں داخل ہو گئے اور شیطان نے جزیرہ عرب کو شرک سے پاک اور (اس میں) توحید کے ستونوں کو مضبوط دیکھا تو (ان احوال کے پیش نظر اس نے) یہ گمان کیا کہ اس کے بعد جزیرہ عرب میں شرک نہیں ہو گا اور اللہ کے سوا اپنی عبادت سے مایوس ہو گیا تو اس حدیث میں شیطان کے دل میں واقع ہونے والی اس مایوسی کی خبر دی گئی ہے لیکن یہ حقیقت میں شرک کی نفی پر دلالت نہیں کرتی اور نہ ہی وہ غیب جانتا تھا، لیکن نبی ﷺ جو وحی کے مطابق بولتے ہیں، آپ ﷺ نے یہ خبر دی ہے کہ عنقریب شرک واقع ہو جائے گا۔"

جزیرہ عرب میں شرک

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَضْطَرِبَ أَلَيَاتُ نِسَاءِ دَوْسٍ عَلَى ذِي الْخَلَصَةِ وَذُو الْخَلَصَةِ طَاغِيَةُ دَوْسٍ الَّتِي كَانُوا يَعْبُدُونَهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ»[1]

" قیامت قائم نہیں ہو گی، یہاں تک کہ دوس قبیلے کی عورتوں کے سرین ذوالخلصہ پر حرکت کریں گے، ذوالخلصہ دوس قبیلے کا طاغوت (بت) تھا جس کی وہ زمانہ جاہلیت میں عبادت کرتے تھے۔"

سرین ہلنے کا مطلب یہ ہے کہ اس بت کا طواف اور اس کی بندگی کریں گی۔

ذوالخلصہ کا تعین اور محل وقوع: زمانہ جاہلیت میں ذوالخلصہ نام سے دو بت معروف اور پوجے جاتے تھے۔ ایک تو یمن میں قبیلہ خثعم وغیرہ کا معبود تھا جسے کعب یمانیہ اور کعب شامیہ بھی کہا جاتا تھا اور اسے جریر بن عبد اللہؓ نے نبی کریم ﷺ کے حکم سے توڑ کر جلا ڈالا تھا۔[2]

دوسرا دوس وغیرہ کا بت تھا۔ ابو ہریرہؓ سے مروی مندرجہ بالا حدیث میں یہی مراد ہے، دوس ابو ہریرہؓ کا قبیلہ تھا اور یہ دوس بن عدثان بن عبد اللہ بن زہران کی طرف منسوب تھے اور

---

1 صحیح بخاری: ۷۱۱۶؛ صحیح مسلم: ۲۹۰۶؛ مسند احمد: ۲/۲۷۱

2 صحیح بخاری، المغازی، باب غزوۃ ذی الخلصہ: ۲/۶۲۴

ان کا نسب ازد تک پہنچتا ہے۔ اس بت کو عمرو بن لحی نے مکہ کے نشیبی علاقے میں نصب کیا تھا:
وکانوا یلبسونه القلائد ویجعلون علیه بیض النعام ویذبحون عنده "اور یہ لوگ اس کو قلادے پہناتے، شتر مرغ کے انڈے چڑھاوے چڑھاتے اور اس کے پاس جانور ذبح کیا کرتے تھے۔"[1]

شیخ یوسف بن عبد اللہ بن یوسف الوابل لکھتے ہیں:

فأما صنم دوس فهو المراد في هذا الحديث ولا يزال مكان هذا الصنم معروفًا إلى الآن في بلاد زهران (جنوب الطائف) في مكان يقال له (ژوق) من بلاد دوس و يقع ذوالخلصة قريبًا من قرية تسمى رمس وكان ذوالخلصة يقع فوق تل صخري مرتفع يحده من المشرق شعب ذى الخلصة ومن الغرب تهامة[2]

"اس حدیث میں مراد قبیلہ دوس والا بت ہی ہے اور اس بت کا مقام آج بھی معروف ہے جو طائف کے جنوب میں زہران کے علاقے میں ژوق نامی بستی میں ہے جہاں قبیلہ دوس کی آبادی تھی، ذوالخلصۃ اس گاؤں کے قریب ہے جس کا نام رمس ہے۔ اور یہ ذوالخلصۃ ایک بلند چٹانی ٹیلے پر واقع تھا جس کے مشرق میں ذی الخلصۃ کی گھاٹیاں اور مغرب میں تہامہ ہے۔"

نیز رقم طراز ہیں:

وقد وقع ما أخبر به النبي ﷺ في هذا الحديث، فإن قبيلة دوس وماحولها من العرب قد افتتنوا بذى الخلصة عند ما عاد الجهل إلى تلك البلاد، فأعادوا سيرتها الأولىٰ، و عبدوها من دون الله، حتى قام الشيخ محمد بن عبد الوهاب رحمه الله بالدعوة إلى التوحيد، وجدّد ما اندرس من الدين وعاد الإسلام إلى جزيرة العرب فقام

١ فتح الباری: ۸/ ۸۹

٢ اشراط الساعۃ: ص ۱۶۱ طبع محرم ۱۴۲۳ھ، دار ابن الجوزی، السعودیۃ

الإمام عبد العزيز بن محمد بن سعود رحمه الله، و بعث جماعة من الدعاة إلىٰ ذى الخلصة فخربوها وهدموا بعض بنائها ولما انتهي حكم آل سعود على الحجاز في تلك الفترة، عاد الجهال إلى عبادتها مرة أخرى، ثم لما استولىٰ الملك عبد العزيز بن محمد بن عبد الرحمٰن آل سعود رحمه الله على الحجاز أمر عامله عليها فأرسل جماعة من جيشه فهدموها وأزالوا أثرها، ولله الحمد والمنة[1]

" نبی کریم ﷺ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث میں جس بات کی خبر دی تھی وہ واقع ہو چکی ہے۔ چنانچہ جب ان بلاد میں دوبارہ جہالت لوٹ آئی۔ تو قبیلہ دوس اور اس کے ارد گرد بسنے والے عرب ذی الخلصہ کے فتنے میں دوبارہ مبتلا ہو گئے۔ اس وقت یہ لوگ اپنی پرانی روش پر گامزن ہو گئے اور اللہ کے سوا اس کی عبادت شروع کر دی تھی یہاں تک کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب توحید کی دعوت لے کر اُٹھے اور انہوں نے مٹے ہوئے دینی شعائر کی تجدید فرمائی اور اسلام جزیرہ عرب میں دوبارہ لوٹ آیا۔ پس عبد العزیز بن محمد بن سعود کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے ذی الخلصہ کی جانب داعیوں کی ایک جماعت روانہ فرمائی جنہوں نے اسے تاراج کر دیا اور اس کی بعض عمارتوں کو ڈھاڈالا پھر جب اس مدت میں جس میں حجاز کی باگ ڈور آل سعود کے ہاتھ سے نکل گئی تو جاہلوں نے دوبارہ اس کی عبادت شروع کر دی اور پھر اس کے بعد جب عبد العزیز بن عبد الرحمٰن آلِ سعود کا حجاز پر قبضہ ہوا تو اُنہوں نے وہاں کے گورنر کو حکم دیا اور اپنی فوج کی ایک جماعت بھی روانہ فرمائی جس نے اسے ڈھادیا اور اس کے نشانات کو مٹاڈالا۔"

مذکورہ بالا احادیث کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ ملت اسلامیہ میں شرک کے ناممکن ہونے کا دعویٰ درست نہیں۔ ان تمام احادیث میں جزیرہ عرب، حجۃ الوداع اور شہر مکہ وغیرہ کی قیود موجود ہیں، حتیٰ کہ زمانہ قریب کے علما کی شہادتوں سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ جزیرہ عرب میں

1 أشراط الساعة للوابل، ص ۱۶۲ طبع محرم ۱۴۲۳ھ، دار ابن الجوزی، السعودیة

وقتاً فوقتاً شرک واقع ہوتا رہتا ہے، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ اس کا خاتمہ فرمادیتے ہیں۔

پانچواں مغالطہ

اسی طرح ان حضرات کی طرف سے سیدنا حذیفہؓ سے مروی درج ذیل حدیث بھی بیان کی جاتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إن ما أتخوف عليكم رجل قرأ القرآن حتى إذا رئيت بهجته عليه وكان ردئا للإسلام غيره إلىٰ ما شاء الله فانسلخ منه ونبذه وراء ظهره وسعى على جاره بالسيف ورماه بالشرك، قال: قلت يا نبي الله! أيهما أولى بالشرك: المرمي أم الرامي؟ قال: بل الرامي»[1]

"بلاشبہ میں تم پر ایسے آدمی سے خوف زدہ ہوں جس نے قرآن پڑھا، یہاں تک کہ جب اس پر اس کی رونق نظر آنے لگی اور وہ اسلام کا مددگار تھا تو اللہ تعالیٰ نے جس طرف چاہا اس کو پھیر دیا، پس وہ اس سے نکل گیا اور اس نے اس کو پس پشت پھینک دیا اور اپنے پڑوسی پر تلوار سے حملہ کر دیا اور اس پر شرک کی تہمت لگا دی، تو میں نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! ان دونوں میں سے شرک کے زیادہ لائق کون ہے جس پر تہمت لگائی گئی یا کہ تہمت لگانے والا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: بلکہ تہمت لگانے والا۔"

محترم قارئین! اس حدیث کو بار بار پڑھیں اور غور کریں کہ اس میں کہیں بھی اس بات کی طرف اشارہ تک نہیں ہے کہ اس اُمت میں شرک نہیں پایا جاسکتا۔ البتہ یہاں تو ایسے بے گناہ انسان جو شرک میں مبتلا نہیں ہے، پر شرک کی تہمت لگانے اور اس بنا پر اس پر حملہ کرنے والے کی مذمت ہے اور ظاہر ہے کہ کسی بے گناہ پر تہمت لگانا اور بہتان بازی غلط ہے اور اس کے حق میں کوئی بھی نہیں ہے بلکہ تہمت لگانے والا خود مجرم ہے لیکن یہاں یہ کہاں سے نکلا کہ

1 الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان: ۱/۲۴۸، رقم ۸۱؛ مسند بزار رقم ۱۷۵؛ مجمع الزوائد: ۱/۳۶۴، رقم ۸۹۰ دوسرا نسخہ ۱/۱۸۸؛ تفسیر ابن کثیر سورۃ الاعراف تحت الآیۃ ۱۷۶

اس اُمت میں شرک پایا ہی نہیں جاسکتا اور جس میں واقعتاً شرک پایا جاتا ہو، وہ بھی مشرک نہیں ہے۔ بلکہ ان حضرات کے دعویٰ کے برخلاف یہ حدیث تو لوگوں میں شرک کے پائے جانے اور ایسے لوگوں کے مشرک ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس حدیث کے مطابق تو جس پر تہمت لگائی گئی یا پھر تہمت لگانے والا، ان دونوں میں سے ایک مشرک ہے لہٰذا ان لوگوں کا یہ دعویٰ کہ اس امت کے لوگوں میں شرک نہیں پایا جاسکتا ان کی اپنی اس پیش کردہ دلیل سے ہی باطل ٹھہرا۔

اور پھر سیدنا حذیفہؓ سے مروی یہ حدیث حافظ قوام السنۃ ابوالقاسم اسماعیل بن محمد بن الفضل تیمی اصبہانی (المتوفی ۵۳۵ھ) کی کتاب الحجة في بيان المحجة وشرح عقيدة أهل السنة[1] میں بھی موجود ہے اور اس میں شرک کے بجائے کفر کے الفاظ ہیں: «رمیٰ جاره بالكفر وخرج عليه بالسيف» "اس نے اپنے پڑوسی پر کفر کی تہمت لگائی اور اس پر تلوار کے ساتھ حملہ کر دیا۔" تو میں نے پوچھا: اللہ کے رسول ﷺ! "أيهما أولىٰ بالكفر: الرامي أو المرمي؟" "ان دونوں میں سے کفر کے زیادہ لائق کون ہے تہمت لگانے والا یا جس پر تہمت لگائی گئی؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا: «بل الرامي» بلکہ تہمت لگانے والا (کفر کے زیادہ لائق ہے)۔

اور اس مضمون کی اور بھی احادیث مروی ہیں، ایک میں عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَيُّمَا امْرِئٍ قَالَ لِأَخِيهِ يَا كَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا إِنْ كَانَ كَمَا قَالَ وَإِلَّا رَجَعَتْ عَلَيْهِ»[2]

"جو شخص اپنے (مسلمان) بھائی کو کافر کہے، تو ان دونوں میں سے ایک کفر کے ساتھ لوٹے گا۔ اگر وہ واقعتاً ایسا ہے تو (کفر اسی پر رہے گا) ورنہ یہ کافر کہنے والے پر لوٹ آئے گا۔"

برصغیر کے اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ مسلمانوں پر تعین کر کے کفر کی تہمت لگانے والے اور حملے کرنے والے کون ہیں، فتاویٰ رضویہ، حسام الحرمین، تمہید الایمان، ملفوظات اور

1 ۲/ ۴۳۲، دوسرا نسخہ: ۲/ ۴۳۵، طبع ثانی ۱۹۹۹ء، دار الرایہ، الریاض
2 صحیح مسلم: ۶۰

احکامِ شریعت وغیرہ کتب اس پر واضح ثبوت ہیں کہ رامی کون ہیں۔

چھٹا مغالطہ

اور پھر مختلف پینترے بدلتے ہوئے یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ "اس اُمت میں شرک ہوا بھی تو وہ قربِ قیامت ہو گا۔ البتہ ہمارے اس زمانے میں نہیں ہو سکتا اور نہ ابھی ایسے حالات آئے ہیں کہ اس اُمت کے لوگ شرک میں مبتلا ہو جائیں اور یہ کہ وہ تمام نصوص جن میں اس اُمت کے لوگوں میں بھی شرک کے پائے جانے کی پیش گوئی اور دلالت ہے، صرف قربِ قیامت سے تعلق رکھتی ہیں کہ "جس وقت جہالت اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہو گی اور مسلمان لا إله إلا الله کے سوا دین کی کوئی بھی بات نہ جانتے ہوں گے اور یہ کہیں گے کہ یہ کلمہ بھی ہم نے اپنے بڑوں سے کبھی سنا تھا۔"[۱]

قارئین! ریت کی دیوار سے بھی زیادہ کمزور یہ دعویٰ بھی حقائق کی دنیا میں اپنے وجود کو برقرار رکھنے کی اپنے اندر سکت نہیں رکھتا۔ قربِ قیامت کے لوگوں میں جہالت اور شرک کے پائے جانے اور اس کے دلائل کے بارے میں تو دو رائے ہیں ہی نہیں، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے پہلے اس اُمت کے لوگوں میں شرک نہیں پایا جاسکتا اور یہ کہ اس دور میں شرک اس امت کے لوگوں کا مسئلہ نہیں ہے اور اگر کہیں ہوا بھی تو اتنا قلیل کہ نہ ہونے کے برابر۔

دراصل یہ دعویٰ فرمانِ نبوی کے اسالیب کو نہ سمجھنے کی بنا پر کیا جاتا[۲] ہے۔ آپ ﷺ کے فرمان "اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ دوس قبیلے کی عورتیں ذوالخلصہ کے گرد طواف کریں گی۔"[۳] کا مطلب درحقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے اس فرمان کے بعد اور

۱ سنن ابن ماجہ: ۴۰۴۹، مستدرک حاکم: ۵/۶۶۶ رقم ۸۵۰۵

۲ اسی نکتہ کی مزید وضاحت کے لئے محدث میں شائع شدہ مضمون 'پندرھویں صدی اور شرک وجہالت کے اندھیرے' از حافظ عطاء الرحمن علوی شائع شدہ شمارہ ۳۵۶، جولائی ۲۰۱۲ کا صفحہ نمبر ۶۴ تا ۶۷ ملاحظہ کریں۔

۳ صحیح بخاری: ۷۱۱۶؛ صحیح مسلم: ۲۹۰۶

قیامت سے پہلے اس کام کا واقع ہونا ناگزیر ہے اور اس کے واقع ہونے سے پہلے قیامت قائم نہیں ہو سکتی، البتہ اپنے اپنے اس مقررہ وقت پر وہ تمام چیزیں ظاہر ہوئی ہیں اور آئندہ بھی ظاہر ہوتی رہیں گی جو وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے طے ہے اور اس کی وضاحت ابوہریرہؓ سے مروی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَقْتَتِلَ فِئَتَانِ عَظِيمَتَانِ يَكُونُ بَيْنَهُمَا مَقْتَلَةٌ عَظِيمَةٌ دَعْوَتُهُمَا وَاحِدَةٌ وَحَتَّى يُبْعَثَ دَجَّالُونَ كَذَّابُونَ قَرِيبٌ مِنْ ثَلَاثِينَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ رَسُولُ اللهِ»[1]

"قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ (مسلمانوں کی) دو عظیم جماعتوں کے درمیان بہت بڑی جنگ ہوگی اور دونوں کا دعویٰ بھی ایک ہی ہوگا اور یہاں تک کہ تیس دجال وکذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک یہی گمان کرے گا کہ وہ اللہ کا رسول ہے۔"

اس حدیث میں جنگِ صفین کے بارے میں خبر دی گئی ہے اور یہ جنگ آپ ﷺ کے کچھ ہی عرصہ بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین واقع بھی ہو چکی ہے تو کیا اُمتِ مسلمہ میں شرک کو صرف قربِ قیامت کے ساتھ خاص قرار دینے والے یہ حضرات صدر اوّل میں جنگِ صفین کے واقع ہونے کا انکار کر کے اس حدیث کو بھی قربِ قیامت کے آخری لحات کے ساتھ ہی خاص کر ڈالیں گے؟ اور کیا مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، مختار ثقفی اور مرزا قادیانی جیسے کذابوں، دجالوں کا وجود و ظہور اور اُن کے فتنوں کا پھیل جانا بھی ان حضرات کے نزدیک ابھی تک نہیں ہوا ہو گا؟ کیونکہ منصب نبوت ورسالت کے جھوٹے دعووں اور عوام کے ان سے متاثر ہو کر ان فتنوں میں مبتلا ہونے کے لیے جو جہالت درکار ہے، شاید یہ بھی ان حضرات کے نزدیک ابھی تک ممکن نہ ہوئی ہو؟ قارئین کرام جب باقی چیزوں کا انکار نہیں اور نہ ہی انہیں قرب قیامت کے ساتھ خاص قرار دیا جاتا ہے تو پھر اس امت میں شرک کے پائے جانے کا

1 صحیح بخاری: ۳۶۰۹، ۷۱۲۱

بھی انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ اسے قربِ قیامت کے ساتھ خاص کیا جاسکتا ہے۔ اور ثوبان رضی اللہ عنہ سے مروی درج ذیل حدیث میں تو کذابوں، دجالوں کے ساتھ ساتھ اُمت کے لوگوں کے شرک میں مبتلا ہو جانے کی پیشین گوئی بھی موجود ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وإنما أخاف على أمتي الأئمة المضلمين وإذا وضع السيف في أمتي لم يرفع عنها إلىٰ يوم القيامة ولا تقوم الساعة حتى تلحق قبائل من أمتي بالمشركين وحتى يعبدوا الأوثان وانه سيكون في أمتي ثلاثون كذابون كلهم يزعم انه نبي وأنا خاتم النبيين لا نبي بعدي ولا تزال طائفة من أمتي على الحق»[1]

"مجھے اپنی امت پر گمراہ کن ائمہ کا خوف ہے اور جب میری امت میں ایک بار تلوار چل پڑی تو قیامت تک اُٹھائی نہیں جائے گی، اور اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہو گی جب تک میری اُمت میں سے قبائل مشرکین کے ساتھ نہ مل جائیں اور یہاں تک کہ وہ بتوں کی عبادت نہ کرنے لگیں اور عنقریب میری اُمت میں تیس کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک کا یہی گمان ہو گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں آخری نبی ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو گا اور میری اُمت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔"

اور یہی حدیث درج الفاظ کے ساتھ بھی مروی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَإِذَا وُضِعَ السَّيْفُ فِي أُمَّتِي لَمْ يُرْفَعْ عَنْهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَإِنَّ مِمَّا أَتَخَوَّفُ عَلَى أُمَّتِي أَئِمَّةً مُضِلِّينَ وَسَتَعْبُدُ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي الْأَوْثَانَ وَسَتَلْحَقُ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ وَإِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ دَجَّالِينَ كَذَّابِينَ قَرِيبًا مِنْ ثَلَاثِينَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَلَنْ تَزَالَ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي عَلَى الْحَقِّ مَنْصُورِينَ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ

1 سنن ابی داؤد: ۴۲۵۲؛ مسند احمد: ۵/ ۲۷۸

اللہ عَزَّ وَجَلَّ [1]

"اور جب میری امت میں تلوار چل پڑی تو پھر قیامت تک اٹھائی نہیں جائے گی (یعنی ہمیشہ چلتی رہے گی) اور بلا شبہ مجھے اپنی اُمت کے بارے میں (سب سے زیادہ) گمراہ کن لیڈروں کا خوف ہے اور عنقریب میری اُمت میں سے قبائل بتوں کی پوجا کریں گے اور عنقریب میری اُمت میں سے قبائل مشرکین کے ساتھ مل جائیں گے اور بلاشبہ قیامت سے پہلے تقریباً تیس دجال و کذاب ہوں گے ان میں سے ہر ایک کا یہی گمان ہو گا کہ وہ نبی ہے۔ اور میری اُمت میں سے ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، ان کی مدد کی جائے گی۔"

آپ ﷺ اپنی اُمت پر گمراہ کن ائمہ سے خوف زدہ ہیں اور ساتھ ہی اُمت میں سے قبائل کے شرک میں مبتلا ہو جانے کی پیشین گوئی بھی موجود ہے اور قبائل کا شرکیہ عقائد و اعمال اپنانا اور اَوثان کی پوجا و عبادت کرنا لوگوں میں شرک کے پائے جانے کا واضح ثبوت ہے جس میں لوگوں کے مبتلا ہو جانے کا آپ ﷺ کو خوف تھا۔ کیا ان اصحاب کے نزدیک شرک گمراہی نہیں یا پھر گمراہی کا نام صراطِ مستقیم رکھ لینے سے اور عقیدہ توحید کے نام پر شرک کی پشت پناہی سے گمراہی اور شرک اُمت سے نابود ہو جاتے یا قربِ قیامت کے ساتھ خاص ہو جاتے ہیں؟ کہ اس دور میں جو دل چاہے کرتے ہیں خالص توحید ہی توحید ہے اور شرک کا تو خوف ہی نہیں؟

ساتواں مغالطہ

عوام کو شبہات میں ڈالتے ہوئے یہ مغالطہ بھی دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سنتا، دیکھتا، قدرت رکھتا اور مدد کرتا ہیں وغیرہ۔ جبکہ مخلوق بھی یہ کام کرتی ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ حفیظ، علیم، رؤوف اور رحیم وغیرہ صفاتی ناموں سے متصف ہیں اور انسانوں کے لئے بھی یہ نام استعمال ہوتے ہیں جب یہ شرک نہیں ہے تو پھر مخلوق کے لئے داتا گنج بخش، غوث اعظم، دستگیر، مشکل کشا اور حاجت روا وغیرہ ناموں سے پکارنا اور ان صفات و اختیارات کا مالک سمجھنا بھی شرک

1 سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۲

نہیں ہے۔

لیکن ان حضرات کی یہ باتیں بھی دھوکہ دہی سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، مخلوق کی صفات و اختیارات، تحت الاسباب، وسائل و ذرائع کی محتاج اور محدود ہیں۔ مخلوق کے دیکھنے اور سننے کی صلاحیت ایک خاص مسافت تک ہے۔ پردے اور دیوار کے پیچھے اور اپنی طاقت سے زیادہ مخلوق نہ دیکھ سکتی ہے اور نہ ہی سننے کی طاقت ہے۔ انسان اسباب کے محتاج ہیں، اس سے بڑھ کر کسی کی مدد تو درکنار اپنا فائدہ بھی نہیں کرسکتے۔ الغرض تمام صفات میں مخلوق کی یہی کیفیت ہے جبکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی تمام صفات و اختیارات میں نہ تو اسباب کے محتاج ہیں اور نہ ہی کسی مخصوص فاصلے تک محدود کہ اس سے آگے اللہ تعالیٰ دیکھ اور سن نہ سکتے ہوں یا مدد نہ کرسکتے ہوں جبکہ ان حضرات کی طرف سے مخلوق کو ان صفات میں فوق الاسباب اختیارات کا مالک سمجھ کر ہی پکارا جاتا اور اللہ کا شریک ٹھہرایا جاتا ہے، اگرچہ 'عطائی' کا حیلہ کرکے دل کو بہلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ دور و نزدیک سے ہر ایک کو دیکھتے اور سنتے ہیں، ہر زبان میں، ہر وقت اور ہر کسی کی سنتے ہیں، مدد کرتے ہیں اور یہ حضرات جن ہستیوں کو داتا، مشکل کشا، غوث اعظم اور دستگیر مانتے ہیں، ان میں خدا کی طرح ہی ان صفات کو فوق الاسباب اور غیر محدود مانتے ہیں اور اُنہیں دور و نزدیک ہر جگہ، ہر وقت اور ہر کسی کو دیکھنے، سننے والا اور مدد کرنے والے سمجھ کر ہی مشکل کشائی، حاجت روائی اور دستگیری کے لیے اُنہیں فوق الاسباب طاقتوں کے مالک سمجھ کر اُن سے فریاد کرتے ہیں اور اِن کے نزدیک تو موت کے بعد عام لوگوں حتیٰ کہ کفار کے سننے، دیکھنے اور ادراک کی قوتیں مزید بڑھ جاتی ہیں۔[1] وگرنہ ان حضرات کو فہرست شائع کرنی چاہیے کہ جس میں بزرگوں کے اختیارات و حدود، سننے کے اوقات، مدد کرنے کی نوعیت اور علاقائی حدود کا تعین ہو اور جن جن ہستیوں کے لئے ایسی فوق الاسباب اور لامحدود صفات واختیارات اور اسما والقابات کا دعویٰ کیا جاتا ہے تو کیا دلیل ہے کہ یہ ان کو عطا ہوئے ہیں؟ اگر یہ بھی ان غیر محدود اور فوق الاسباب صفات واختیارات کے مالک ہیں تو پھر ان میں اور

1 ملفوظات از احمد رضا خان صاحب بریلوی: ص ۷۶، ۲، ۸۲

اللہ تعالیٰ میں فرق کیا ہے ؟ کیا صرف عطائی کے حیلے سے شرک سے نکل کر توحید کے علمبر دار بنا جا سکتا ہے ؟ مکہ والے بھی تو اپنے معبودوں کو عطائی ہی مانتے تھے۔[1] جبکہ حضرت علی ہجویری جنہیں یہ لوگ داتا اور گنج بخش کے نام سے یاد کرتے اور حاجت روا پکارتے ہیں، فرماتے ہیں:

"اے علی! مخلوق تجھے داتا اور گنج بخش کے نام سے یاد کرتی ہے حالانکہ تو اپنے پاس کچھ بھی نہیں رکھتا۔ اس بات کو اپنے دل میں جگہ مت دے کیونکہ یہ پندار و غرور کی بات ہے۔ گنج بخش اور رنج بخش ذات حق ہی ہے جو کہ بے چون و بے چگوں ہے اور بے شبہ و بے تمون ہے۔ شرک مت کر جب تک کہ تو زندگی بسر کرے۔ وہ ذاتِ حق ہر طرح یکتا ہے اس کا کوئی بھی شریک نہیں ہے۔"[2]

قارئین کرام! اس اقتباس کو بار بار بہ غور ملاحظہ فرمائیں اور غور کریں کہ حضرت علی ہجویری تو داتا، گنج بخش اور رنج بخش جیسے القاب کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی قرار دیتے ہیں کہ ایسے کام کرنا اور ان اختیارات کا مالک ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی ہی صفت ہے اور وہ اس میں یکتا و تنہا ہے، اس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے کہ جو یہ کام کر سکے اور ان القاب سے نوازا اور پکارا جائے، پھر وہ اُمت کے لوگوں میں شرک کے پائے جانے کا نہ تو انکار کرتے ہیں اور نہ ہی اُسے قربِ قیامت کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں بلکہ جب اُنہیں معلوم ہوتا ہے کہ جاہل لوگ اُنہیں بھی ایسے ناموں سے یاد کرنے لگے ہیں تو اس سے اعلانِ برات کرتے ہیں، منع فرماتے ہیں، اور اپنے آپ کو بھی نصیحت کرتے ہیں کہ زندگی بھر کبھی ایسا خیال بھی دل میں نہ لانا اور پھر اللہ تعالیٰ کے علاوہ اپنے یا کسی دوسرے کے لئے ان ناموں کا استعمال کسی قسم کے عطائی وغیرہ حیلے تراشے بغیر علی الاطلاق، شرک قرار دیتے ہیں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "گنج بخش اور رنج بخش ذات حق ہی ہے... شرک مت کر... وہ ذاتِ حق ہر طرح یکتا ہے، اس کا کوئی بھی شریک نہیں۔"

---

1 صحیح مسلم: ۱۱۸۵

2 کشف الاسرار، ص ۲۸، طبع ۱۹۹۹ء... مکتبہ نقشبندیہ، فاروق آباد، شیخوپورہ

مولانا حافظ صلاح الدین یوسف[1]

عورت کو حق طلاق تفویض کرنا، شریعت میں تبدیلی ہے!

پاکستان میں حکومت کے مجوزہ نکاح فارم کی ایک شق میں یہ درج ہوتا ہے کہ خاوند نے بیوی کو طلاق کا حق تفویض کیا ہے یا نہیں؟... اکثر لوگ تو اس شق کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور اثبات یا نفی (ہاں یا نہیں) میں کچھ نہیں لکھتے۔ لیکن بعض لوگ اس پر اصرار کرتے ہیں کہ نکاح کے موقعے پر تفویض طلاق کے اس حق کو تسلیم کیا جائے اور وہ اس شرط کو لکھواتے یعنی منواتے ہیں کہ عورت کو طلاق کا حق تفویض کر دیا ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت جب چاہے اپنے خاوند کو طلاق دے سکتی ہے اور اس طرح کے واقعات اب پیش آنے لگے ہیں کہ ایسی عورتیں جن کو حق طلاق تفویض کیا گیا، انھوں نے اپنے خاوندوں کو طلاقیں دے دیں۔

علمائے احناف اور دیگر فقہا تو اس تفویض طلاق کو صحیح سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ وہ فقہی جمود ہے جس میں وہ مبتلا ہیں، اس لیے عدم دلیل کے باوجود وہ اس بنا پر اس کے قائل ہیں کہ ان کے فقہا نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ بنابریں وہ عورت کے طلاق دینے کی وجہ سے میاں بیوی میں جدائی کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ لیکن بعض علمائے اہلحدیث بھی اس کے جواز کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ غالباً انھوں نے مسئلے کا گہرائی سے جائزہ نہیں لیا یا عورتوں کے 'حقوق' کے شور میں اس کی شاید ضرورت ہی محسوس نہیں کی، اس لیے وہ بھی جواز کے قائل ہو گئے!!

راقم کے پاس بھی یہ استفسار آیا اور اس میں بعض علمائے اہلحدیث کی طرف سے اس کے اثبات کا حوالہ بھی دیا گیا۔ اس بنا پر ضرورت محسوس ہوئی کہ مسئلے کی نوعیت کو شرعی دلائل کی روشنی میں واضح اور منقح کیا جائے تاکہ ایک طرف مسلکِ تفویض کے حامل علمائے احناف کے

[1] مدیر شعبۂ تحقیق وتالیف دارالسلام، لاہور و مشیر وفاقی شرعی عدالت، پاکستان

دلائل کی بے ثباتی واضح ہو جائے اور جو علما محض بعض شبہات کی وجہ سے اس کے جواز کے قائل ہیں، وہ بھی اپنے موقف پر نظرِ ثانی کر کے صحیح دلائل پر مبنی موقف کو اختیار کر سکیں۔

بہر حال ہمارا موقف یہ ہے کہ عورت کو طلاق کا حق تفویض نہیں کیا جا سکتا اور اگر کسی نے اس کو یہ حق دے دیا اور عورت نے اسے استعمال کرتے ہوئے خاوند کو طلاق دے دی، تو یہ طلاق نہیں ہو گی۔ طلاق کا حق صرف مرد کو حاصل ہے، یہ حق اللہ نے صرف اُسے ہی عطا کیا ہے، اسے پوری اُمت مل کر بھی عورت کی طرف منتقل کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

اس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں:

اسلام میں طلاق کا حق صرف مرد کو دیا گیا ہے، عورت کو نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں زود رنج، زود مشتعل اور جلد بازی میں جذباتی فیصلہ کرنے والی ہے، نیز عقل اور دور اندیشی میں کمزور ہے۔ عورت کو بھی حق طلاق دیے جانے کی صورت میں، یہ اہم رشتہ جو خاندان کے استحکام و بقا اور اس کی حفاظت و صیانت کے لیے بڑا ضروری ہے، تارِ عنکبوت سے زیادہ پائیدار ثابت نہ ہوتا۔ علمائے نفسیات و طبیعیات بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس کی تفصیل راقم کی کتاب 'خواتین کے امتیازی مسائل' مطبوعہ دار السلام میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

اگر عورت کو بھی طلاق کا حق مل جاتا تو وہ اپنا یہ حق نہایت جلد بازی یا جذبات میں آکر استعمال کر لیا کرتی اور اپنے پیروں پر آپ کلہاڑا مار لیا کرتی۔ اس سے معاشرتی زندگی میں جو بگاڑ اور فساد پیدا ہوتا، اس کا تصور ہی نہایت روح فرسا ہے۔ اس کا اندازہ آپ مغرب اور یورپ کی اُن معاشرتی رپورٹوں سے لگا سکتے ہیں جو وہاں عورتوں کو حق طلاق مل جانے کے بعد مرتب اور شائع ہوئی ہیں۔ ان رپورٹوں کے مطالعے سے اسلامی تعلیمات کی حقانیت اور عورت کی اس کمزوری کا اثبات ہوتا ہے جس کی بنا پر مرد کو تو حق طلاق دیا گیا ہے لیکن عورت کو یہ حق نہیں دیا گیا۔ عورت کی جس زود رنجی، سریع الغضبی، ناشکرے پن اور جذباتی ہونے کا ہم ذکر کر رہے ہیں، احادیث سے بھی اس کا اثبات ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَرَأَيْتُ النَّارَ فَإِذَا أَكْثَرُ أَهْلِهَا النِّسَاءُ يَكْفُرْنَ» قِيلَ: أَيَكْفُرْنَ بِاللهِ؟ قَالَ: «يَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ وَ يَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْأَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنكَ شَيْئًا، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنكَ خَيْرًا قَطُّ»

"میں نے جہنم کا مشاہدہ کیا تو اس میں اکثریت عورتوں کی تھی (اس کی وجہ یہ ہے کہ) وہ

ناشکری کا ارتکاب کرتی ہیں۔ پوچھا گیا: کیا وہ اللہ کی ناشکری کرتی ہیں؟ آپ نے فرمایا: (نہیں) وہ خاوند کی ناشکری اور احسان فراموشی کرتی ہیں۔ اگر تم عمر بھر ایک عورت کے ساتھ احسان کرتے رہو، پھر وہ تمہاری طرف سے کوئی ایسی چیز دیکھ لے جو اسے ناگوار ہو تو وہ فوراً کہہ اُٹھے گی کہ میں نے تو تیرے ہاں کبھی بھلائی اور سکھ دیکھا ہی نہیں۔"[1]

جب ایک عورت کی افتادِ طبع اور مزاج ہی ایسا ہے کہ وہ عمر بھر کے احسان کو مرد کی کسی ایک بات پر فراموش کر دیتی ہے تو اسے اگر حق طلاق مل جاتا تو آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کس آسانی کے ساتھ وہ اپنا گھر اُجاڑ لیا کرتی؟

عورت کی اس کمزوری، کم عقلی اور زود رنجی ہی کی وجہ سے مرد کو اس کے مقابلے میں صبر و ضبط، تحمل اور قوت برداشت سے کام لیتے ہوئے عورت کے ساتھ نباہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے، کیونکہ عورت کی یہ کمزوریاں فطری ہیں، کسی مرد کے اندر یہ طاقت نہیں کہ وہ قوت کے زور سے اُن کمزوریوں کو دور کر کے عورت کو سیدھا کر دے یا سیدھا رکھ سکے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ»[2]

"عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت مانو، عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور سب سے زیادہ کجی اوپر کی پسلی میں ہوتی ہے، پس اگر تم اُسے سیدھا کرنے لگو گے تو اسے توڑ دو گے اور یوں ہی چھوڑ دو گے تو کجی باقی رہے گی، پس عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت قبول کرو۔"

شارح بخاری حافظ ابن حجر اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

"مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ عورت کے مزاج میں کجی (ٹیڑھا پن) ہے (جو ضد وغیرہ کی شکل میں بالعموم ظاہر ہوتی رہتی ہے)، پس اس کمزوری میں اسے معذور سمجھو کیونکہ یہ

1 صحیح بخاری: ۲۹
2 ایضاً: ۳۳۳۱

پیدائشی ہے، اسے صبر اور حوصلے سے برداشت کرو اور اُن کے ساتھ عفو و درگزر کا معاملہ کرو۔ اگر تم انھیں سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اُن سے فائدہ نہیں اٹھاسکو گے جبکہ اُن کا وجود انسان کے سکون کے لیے ضروری ہے اور کشمکشِ حیات میں اُن کا تعاون ناگزیر ہے، اس لیے صبر کے بغیر اُن سے فائدہ اٹھانا اور نباہ ناممکن ہے۔"[1]

بہر حال عورت کی یہی وہ فطری کمزوری ہے جس کی وجہ سے اللہ نے مرد کو تو حق طلاق دیا ہے لیکن عورت کو نہیں دیا۔ عورت کا مفاد ایک مرد سے وابستہ اور اس کی رفیقۂ حیات بن کر رہنے ہی میں ہے، نہ کہ گھر اجاڑنے میں۔ اور عورت کے اس مفاد کو عورت کے مقابلے میں مرد ہی صبر وضبط اور حوصلہ مندی کا مظاہرہ کر کے زیادہ ملحوظ رکھتا اور رکھ سکتا ہے۔

بنابریں اسلام کا یہ قانونِ طلاق بھی دراصل عورت کے مفاد ہی میں ہے، گو عورت آج کل پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اس کی حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں عورت کے لیے حق خلع

تاہم اسلام چونکہ دین فطرت اور عدل وانصاف کا علم بردار ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دوسرے پہلو کو بھی ملحوظ رکھا ہے کہ کسی وقت عورت کو بھی مرد سے علیحدہ ہونے کی ضرورت پیش آسکتی ہے، جیسے خاوند نامرد ہو، وہ عورت کے جنسی حقوق ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا وہ نان ونفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو، یا قادر تو ہو لیکن بیوی کو مہیا نہ کرتا ہو، یا بلاوجہ اس پر ظلم وستم یا مار پیٹ سے کام لیتا ہو، یا عورت اپنے خاوند کو ناپسند کرتی اور محسوس کرتی ہو کہ وہ اس کے ساتھ نباہ یا اس کے حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتی۔

ان صورتوں یا اِن جیسی دیگر صورتوں میں عورت خاوند کو یہ پیشکش کر کے کہ تو نے مجھے جو مہر اور ہدیہ وغیرہ دیا ہے، وہ میں تجھے واپس کر دیتی ہوں تو مجھے طلاق دے دے، اگر خاوند اس پر رضامند ہو کر اُسے طلاق دے دے تو ٹھیک ہے لیکن اگر خاوند ایسا نہیں کرتا تو اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ عدالت یا پنچایت کے ذریعے سے اس قسم کی صورتوں میں خاوند سے گلوخلاصی حاصل کر لے، اِس کو خلع کہتے ہیں۔ یہ قرآنِ کریم اور احادیث نبویہ سے ثابت

1 فتح الباری: ۳۱۵/۹

ہے، اس کی تفصیل یہاں ممکن نہیں، راقم کی کتاب 'خواتین کے امتیازی مسائل' میں اس کے دلائل تفصیل سے مذکور ہیں۔

عورت کے اس حق خلع کی موجودگی میں اس بات کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ نکاح کے موقعے پر مرد اپنا حق طلاق عورت کو تفویض کرے، کیونکہ اسلام نے عورت کے لیے بھی قانونِ خلع کی صورت میں مرد سے علیحدگی کا طریقہ بتلادیا ہے اور عہدِ رسالت میں بعض عورتوں نے اپنا یہ حق استعمال بھی کیا ہے اور رسول ﷺ نے بحیثیتِ حاکم وقت خلع کا فیصلہ ناپسندیدہ خاوند سے علیحدگی کی صورت میں فرمایا ہے جس کی تفصیل صحیح احادیث میں موجود ہے۔

علمائے احناف کا فقہی جمود، خُلع کا انکار

لیکن بدقسمتی سے قرآن و حدیث کے مقابلے میں آرا کو زیادہ اہمیت دینے والے علما و فقہا، اسلام کے اس قانونِ خلع کو تسلیم نہیں کرتے، اس لیے فقہ حنفی میں مذکورہ صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں عورت کے لیے مرد سے گلو خلاصی حاصل کرنے کا جواز نہیں ہے، اس کا اعتراف مولانا تقی عثمانی صاحب (دیوبندی) نے بھی کیا ہے۔[1]

مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة نامی کتاب اسی لیے تحریر فرمائی تھی کہ عورتوں کی مشکلات کا کوئی حل، جو کہ فقہ حنفی میں نہیں ہے، تلاش کیا جائے، چنانچہ انھوں نے کچھ فقہی جمود توڑتے ہوئے دوسری فقہوں کے بعض مسائل کو اختیار کر کے بعض حل پیش فرمائے اور دیگر علمائے احناف کی تصدیقات بھی حاصل کیں۔ اس کے باوجود علمائے احناف کا جمود برقرار ہے کہ جب تک خاوند کی رضامندی حاصل نہ ہو، عورت کے لیے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں۔[2] حالانکہ عورت کو حق خلع دیا ہی اس لیے گیا ہے کہ خاوند راضی ہو یا راضی نہ ہو، عورت عدالت یا پنچایت کے ذریعے سے علیحدگی اختیار کر سکتی ہے اور عدالت کا فیصلہ طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا۔

---

1 ملاحظہ ہو مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة کے نئے ایڈیشن (ناشر: ادارہ اسلامیات) کا پیش لفظ، از مولانا تقی عثمانی

2 درسِ ترمذی از مولانا تقی عثمانی: ۳/۴۹۷

فقہائے احناف کی شریعت سازی

شریعت کے دیے ہوئے حق خلع کو تو فقہائے احناف نے تسلیم نہیں کیا جو ایک ناگزیر ضرورت ہے، البتہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے اپنی طرف سے یہ طریقہ تجویز کیا کہ عورت کو حق طلاق تفویض کر دیا جائے جو حکم الٰہی میں تبدیلی اور شریعت سازی کے مترادف ہے، حالانکہ عورت کو حق طلاق دینے میں جو شدید خطرات ہیں، وہ مسلمہ ہیں اور اُنہی کے پیش نظر اللہ عزوجل نے یہ حق عورت کو نہیں دیا۔ قابل غور امر یہ ہے کہ جو حق اللہ نے نہیں دیا، اللہ کے رسول ﷺ نے نہیں دیا تو وہ اور کون سی اتھارٹی ہو سکتی ہے جو یہ حق عورتوں کو دے؟ یقیناً ایسی کوئی اتھارٹی نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے، اس لیے اس تفویض طلاق کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اگر کوئی عورت انسانوں کے اپنے تفویض کردہ اس حق کو استعمال کرتے ہوئے اپنے خاوند کو طلاق دے دیتی ہے تو اس طرح قطعاً طلاق واقع نہیں ہو گی۔ نکاح ایک 'میثاقِ غلیظ' (نہایت مضبوط عہد) ہے جو حکم الٰہی کے تحت طے پاتا ہے، اسے خود ساختہ طریقے سے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ عہد اسی وقت ختم ہو گا جب اس کے ختم کرنے کا وہ طریقہ اختیار کیا جائے گا جو خود اللہ نے بتلایا ہے اور وہ طریقہ صرف اور صرف مرد کا طلاق دینا یا عورت کا خلع لینا ہے۔ اس کے علاوہ رشتۂ نکاح کو ختم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔

کون سی شرطیں قابل اعتبار یا ناقابل اعتبار ہیں؟

تفویض طلاق کے جواز میں یہ دلیل دی جاتی ہے کہ نکاح کے موقعے پر جو شرطیں طے پائیں، ان کا پورا کرنا ضروری ہے، نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«أَحَقُّ الشُّرُوطِ أَنْ تُوفُوا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوجَ»[1]

"جن شرطوں کا پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے، وہ وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعے سے تم شرم گاہیں حلال کرو۔"

یہ حدیث اپنی جگہ بالکل صحیح ہے لیکن اس سے مراد وہ شرطیں ہیں جن سے مقاصدِ نکاح کو مزید مؤکد کرنا مقصود ہو، جیسے خود امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو مہر کی ادائیگی کے ضمن میں بیان کیا

1 صحیح بخاری: ۲۷۲۱

ہے۔ اسی طرح کسی مرد سے یہ اندیشہ ہو کہ وہ نان نفقہ میں کوتاہی کرے گا یا شاید حسن سلوک کے تقاضے پورے نہیں کرے گا، یا رشتے داروں سے میل ملاپ میں ناجائز تنگ کرے گا، وغیرہ؛ تو نکاح کے موقعے پر اس قسم کی شرطیں طے کر لی جائیں تو اُن کا پورا کرنا مرد کے لیے ضروری ہو گا۔ یہ حدیث اسی قسم کی شرطوں تک محدود رہے گی۔

اس کے برعکس اگر خاوند یہ شرط عائد کرے کہ وہ بیوی کے نان نفقہ کا ذمے دار نہیں ہو گا، شادی کے بعد وہ ماں باپ یا بہن بھائیوں سے ملنے کی اجازت نہیں دے گا، یا میں اس کو پردہ نہیں کرنے دوں گا، وعلیٰ ہذا القیاس اس قسم کی ناجائز شرطیں، تو وہ کالعدم ہوں گی، یا عورت یہ شرط عائد کرے کہ وہ خاوند کو ہم بستری نہیں کرنے دے گی تا کہ بچے پیدا نہ ہوں، یا خاوند کو دوسری شادی کرنے کی اجازت نہیں ہو گی، یا مردوں کے ساتھ مخلوط ملازمت سے وہ نہیں روکے گا وغیرہ وغیرہ۔ تو ان شرطوں کا بھی اعتبار نہیں ہو گا کیونکہ یہ ناجائز شرطیں ہیں یا مقاصدِ نکاح کے منافی ہیں۔ اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے نبی ﷺ کے اس فرمان کو کہ ''عورت اپنی سوتن کی طلاق کا مطالبہ نہ کرے تاکہ وہ اس کا برتن اُلٹائے۔'' یعنی سہولیاتِ زندگی سے محروم کر دے جو خاوند کے ہاں اس کو میسر ہیں۔[1] '' کو عنوان ''ان شرطوں کا بیان جو نکاح میں جائز نہیں'' میں میں ذکر کیا ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ شریعت کے عطا کردہ کسی حق کو ختم کرنے کی شرط عائد کی جائے گی تو اس کا اعتبار نہیں ہو گا۔ بلکہ اس قسم کی شرطوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر فرما دیا ہے:

«وَالْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا»[2]

''مسلمانوں کے لیے اپنی طے کردہ شرطوں کی پابندی ضروری ہے، سوائے اس شرط کے جو کسی حلال کو حرام یا کسی حرام کو حلال کر دے۔ (ایسی شرطیں کالعدم ہوں گی)''

نکاح کے موقع پر تفویضِ طلاق کی شرط بھی، شرطِ باطل ہے جس سے مرد کا وہ حق جو اللہ نے صرف مرد کو دیا ہے، وہ اس سے ختم ہو کر عورت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ مرد کے اس حق شرعی کا عورت کی طرف انتقال، حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دینے ہی کے مترادف

۱ ایضاً: ۲۷۲۳

۲ جامع ترمذی: ۱۳۵۲

ہے جس کا کسی کو حق حاصل نہیں ہے۔ اس شرط سے عورت کو طلاق دینے کا حق قطعاً حاصل نہیں ہو سکتا، اُس کو اس قسم کے حالات سے سابقہ پیش آئے تو وہ، شرط کے باوجود، طلاق دینے کی مجاز نہیں ہو گی بلکہ طلاق لینے، یعنی خلع کرنے ہی کی پابند ہو گی۔

عہدِ رسالت کا ایک واقعہ اور فیصلہ کن فرمانِ رسول ﷺ

اس مسئلے میں نبی ﷺ کے زمانے کا ایک واقعہ ہماری بڑی رہنمائی کرتا ہے۔ بریرہ ایک لونڈی تھی اور مُکاتَبہ تھی، یعنی مالکوں کے ساتھ اس کا معاہدہ ہو چکا تھا کہ اتنی رقم تو ادا کر دے گی تو ہماری طرف سے آزاد ہے۔ بریرہ ؓ حضرت عائشہ ؓ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: اُمّ المومنین! آپ مجھے خرید کر آزاد کر دیں۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا: ٹھیک ہے۔ بریرہ نے کہا: لیکن میرے آقا کہتے ہیں کہ 'حق وَلاء'[1] ان کا ہو گا۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: مجھے حق ولاء کی کوئی حاجت نہیں ہے۔ یہ بات نبی ﷺ نے سن لی یا آپ تک پہنچ گئی تو آپ نے حضرت عائشہ ؓ سے فرمایا: «اِشْتَرِيهَا فَأَعْتِقِيهَا وَدَعِيهِمْ يَشْتَرِطُوا مَاشَاؤُا»

"اس کو خرید کر آزاد کر دے اور مالکوں کو چھوڑ، وہ جو چاہے شرط کر لیں۔"

چنانچہ حضرت عائشہ ؓ نے حضرت بریرہ ؓ کو قیمت ادا کر کے آزاد کر دیا اور اس کے مالکوں نے ولاء کی شرط کر لی کہ وہ ہمارا حق ہو گا۔ لیکن نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَ إِنِ اشْتَرَطُوا مِائَةَ شَرْطٍ»[2]

"حق ولاء آزاد کرنے والے کا ہے، چاہے مالک سو شرطیں لگالیں۔"

ایک اور مقام پر آپ کا یہ فرمان بایں الفاظ منقول ہے:

«مَابَالُ رِجَالٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ؟ مَاكَانَ مِنْ شَرْطٍ لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَهُوَ بَاطِلٌ وَإِنْ كَانَ مِائَةَ شَرْطٍ، قَضَاءُ اللهِ أَحَقُّ وَشَرْطُ اللهِ أَوْثَقُ وَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ»[3]

"لوگوں کا کیا حال ہے، وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں؟ (یاد رکھو

---

۱ وارثا کی عدم موجودگی میں وراثت وغیرہ کے حق کو 'وَلاء' کہا جاتا ہے۔
۲ صحیح بخاری: ۲۵۶۵
۳ ایضاً: ۲۱۶۸

جو شرط ایسی ہو گی جو اللہ کی کتاب میں نہیں ہے، وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہوں۔
اللہ کا فیصلہ زیادہ حق دار ہے (کہ اس کو مانا جائے) اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے (کہ اس
کی پاسداری کی جائے) ولاء اسی کا حق ہے جس نے اسے آزاد کیا۔"

اس حدیث میں آپ نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرما دیا کہ جو شرط بھی کتاب اللہ میں نہیں ہے، یعنی شریعتِ اسلامیہ کی تعلیمات کے خلاف ہے، وہ باطل ہے اور باطل کا مطلب کالعدم ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

علاوہ ازیں اللہ تبارک تعالیٰ نے احکام وراثت بیان فرما کر ان کی بابت کہا کہ یہ اللہ کی حدیں ہیں اور اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا ﴾[1] "جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے گا اور اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا تو اللہ اسے آگ میں داخل کرے گا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے مقررہ حصہ ہائے وراثت میں تبدیلی کرنا، اللہ کی حدوں سے تجاوز اور اللہ رسول کی نافرمانی ہے جس کی کسی کو اجازت نہیں۔

اسی طرح اللہ نے طلاق اور خلع کے احکام بیان کر کے فرمایا: ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾[2] "یہ اللہ کی حدیں ہیں، سو تم اُن سے تجاوز نہ کرو اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا، وہ لوگ ظالم ہیں۔" اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ طلاق و خلع کے احکام، حدود اللہ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں تبدیلی کرنا، یعنی عورت کو حق خلع کے بجائے، جو کہ اسے اللہ نے دیا ہے، طلاق کا حق تفویض کر دینا، حدود اللہ میں تجاوز کرنا ہے جس کا حق کسی کو حاصل نہیں، یہ سراسر ظلم ہے جو اللہ کو ناپسند ہے۔

چنانچہ آیت مذکورہ: ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ ﴾ کے تحت مولانا عبد الماجد دریا آبادی مرحوم نے لکھا ہے اور کیا خوب لکھا ہے:

"یہ تاکید ہے اس امر کی کہ احکام شرعی میں کسی خفیف جزئیہ کو بھی ناقابل التفات نہ سمجھا جائے اور شریعت جیسے بے انتہا منظم فن میں ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ مشین جتنی نازک اور اعلیٰ صناعی کا نمونہ ہو گی، اسی قدر اس کا ایک ایک تنہا پرزہ بھی اپنی جگہ پر بے

1 سورۃ النساء: ۱۴

2 سورۃ البقرۃ: ۲۲۹

بدل ہو گا۔"[1]

بنابریں عورت کو طلاق کا حق تفویض کرنا، امر باطل ہے۔ اس سے حکم شریعت میں تبدیلی لازم آتی ہے، مرد کا جو حق ہے وہ عورت کو مل جاتا ہے اور عورت جو مرد کی محکوم ہے، وہ حاکم (قوام) بن جاتی ہے اور مرد اپنی قوامیت کو (جو اللہ نے اسے عطا کی ہے) چھوڑ کر محکومیت کے درجے میں آجاتا ہے، یا بالفاظِ دیگر عورت طلاق کی مالک بن کر مرد بن جاتی ہے اور مرد عورت بن جاتا ہے کہ بیوی اگر اسے طلاق دے دے تو وہ سوائے اپنی بے بسی اور بے چارگی پہ رونے کے کچھ نہیں کر سکتا۔ ﴿ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴾

چند شبہات واشکالات کا ازالہ

پہلا اشکال اور اس کی وضاحت

بعض علماء آیت تخییر سے تفویض طلاق کا جواز ثابت کرتے ہیں، حالانکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ آیت تخییر سے مراد وہ واقعہ ہے جو نبی ﷺ اور ازواجِ مطہرات کے درمیان پیش آیا کہ جب فتوحات کے نتیجے میں مالِ غنیمت کی وجہ سے مسلمانوں کی معاشی حالت قدرے بہتر ہوئی تو ازواجِ مطہرات نے بھی اپنے نان ونفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر دیا جو نبی ﷺ کو پسند نہ آیا۔ اس موقعے پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴾[2]

"اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دیجیے: اگر تم دنیا اور اس کی زینت کی طالب ہو، تو آؤ میں تمھیں کچھ متعہ (فائدہ) دے کر تمھیں اچھے طریقے سے چھوڑ دیتا ہوں، یعنی طلاق دے دیتا ہوں۔"

جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سمیت تمام ازواجِ مطہرات

1 تفسیر ماجدی: ۱/ ۹۲، طبع تاج کمپنی

2 سورۃ الاحزاب: ۲۸

کو اختیار دے دیا کہ تم دنیا چاہتی ہو یا آخرت؟ اگر دنیا کی آسائشیں مطلوب ہیں تو میں تمھیں طلاق اور کچھ متعۂ طلاق دے کر آزاد کر دیتا ہوں لیکن سب نے دنیا کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کے حبالۂ عقد ہی میں رہنے کو پسند کیا۔

یہ 'آیتِ تخییر' کہلاتی ہے۔ اس سے تفویض طلاق کا اثبات نہیں ہوتا کیونکہ اس میں تو اُن کے مطالبات کے جواب میں اُنھیں یہ اختیار دیا گیا کہ اگر تمھیں اپنے مطالبات پورے کرانے پر اصرار ہے تو میں زبردستی تمھیں اپنے ساتھ رکھنے پر مجبور نہیں کرتا، میں تمھیں طلاق دے دیتا ہوں، قرآن کے الفاظ واضح ہیں: ﴿فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴾ "آؤ میں تمھیں متعۂ طلاق اور طلاق دے کر چھوڑ دیتا ہوں۔" جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اگر وہ نبی ﷺ کے ساتھ رہنے کے بجائے دنیا کی آسائشیں پسند کرتیں تو آپ ان کو طلاق دے کر اپنے سے جدا کر دیتے... از خود ان کو طلاق نہ ہوتی۔

اس سے مستقل طور پر عورت کو طلاق کا حق تفویض کرنے کا اثبات ہرگز نہیں ہوتا۔ اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت اگر کچھ ایسے مطالبات پیش کرے جس کو خاوند پورا نہ کر سکتا ہو تو وہ بیوی سے یہ کہے کہ میں یہ مطالبات پورے نہیں کر سکتا، اگر تو انھی حالات کے ساتھ گزارا کر سکتی ہے تو ٹھیک ہے، بصورتِ دیگر میں طلاق دیکر اچھے طریقے سے تجھے فارغ کر دیتا ہوں۔ اگر عورت دوسری (طلاق کی) صورت اختیار کرتی ہے تو اسے طلاق نہیں ہو جائے گی بلکہ خاوند اس کی خواہش کو پورا کرتے ہوئے طلاق دے تبھی طلاق، یعنی علیحدگی ہوگی۔

غرض اس صورت کا تفویض طلاق سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس لیے اس آیت سے استدلال یکسر غلط اور بے بنیاد ہے۔

دوسرا شبہ

اسی سے ملتی جلتی ایک دوسری صورت یہ ہے کہ جھگڑے کے موقع پر خاوند عورت کو یہ کہہ دے: أَمْرُكِ بِيَدِكِ (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے)

اس سے بھی بعض لوگوں نے تفویض طلاق کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ حالانکہ یہ طلاق کنائی کی ایک صورت بنتی ہے۔ اور اکثر فقہا اس کے جواز کے قائل ہیں لیکن یہ تفویض نہیں بلکہ طلاق ہے۔

نیز اوّل تو یہ الفاظ نہ مرفوعاً ثابت ہیں اور نہ موقوفاً یعنی یہ نہ حدیثِ رسول ہے اور نہ کسی صحابی کا قول[1]... یہ الفاظ جامع ترمذی، سنن ابی داود اور سنن نسائی میں منقول ہیں۔ ان سب کی سندیں ضعیف ہیں تاہم اسے حسن بصری رحمہ اللہ کا قول قرار دیا گیا ہے۔ (اس کا مطلب کیا ہے؟ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے)

البتہ بعض صحابہ کے ان الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ سے بھی استدلال کیا گیا ہے، مثلاً: المعجم الکبیر للطبرانی[2] میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

إذا قال الرجل لامرأته: أمركِ بيدكِ أو استفلحي بأمرك أووهبها لأهلها فقبلوها فهي واحدة بائنة[3]

''اگر آدمی اپنی بیوی سے کہے: تیرا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے، یا تم اپنے معاملے میں کامیاب ہو جاؤ، یا وہ اس (حق) کو اس بیوی کے گھر والوں کے حوالے کر دے، پھر وہ اسے قبول کرلیں تو یہ ایک (طلاق) بائن (نکاح کو ختم کر دینے والی) ہے۔''

اس اثر میں غور کریں، کیا اس کا تعلق زیر بحث تفویض طلاق سے ہے؟ قطعاً نہیں۔ اس میں بھی وہی خیارِ طلاق (طلاقِ کنائی) یا توکیل کی صورت ہے کہ اختلاف اور جھگڑے کی صورت میں خاوند بیوی کو اختیار دے دے کہ اگر تو میرے پاس رہنے کے لیے تیار نہیں ہے تو تجھے اختیار ہے کہ تو خود میرے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ کرلے۔ اگر وہ علیحدگی کا فیصلہ کرلیتی ہے تو مذکورہ اثر کی بنیاد پر اسے طلاق ہو جائے گی اور بقول عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ یہ ایک طلاق بائن ہو گی۔ یہ خیارِ طلاق سے ملتی جلتی وہی صورت ہے جس کی تفصیل آیتِ تخییر کے ضمن میں گزری ہے یا یہ طلاق بالکنایہ ہے کیونکہ یہ طلاق کون سی ہو گی؟ یہ خاوند کی نیت پر منحصر ہے جیسا کہ آگے تفصیل آرہی ہے۔

دوسری صورت اس میں توکیل کی ہے، یعنی بیوی کے گھر والوں کو طلاق دینے کا حق دے دے اور وہ طلاق دے دیں، تو طلاق بائن ہو جائے گی۔ وکالت کو بھی شریعت نے تسلیم کیا ہے،

---

1 ضعیف سنن ابو داود، للالبانی: ۳۷۸

2 المعجم الکبیر للطبرانی: ۹/۳۷۹، حدیث: ۹۶۲۷

3 ماہنامہ 'الحدیث' حضرو، مئی ۲۰۱۳ء

یعنی خاوند خود طلاق نہ دے بلکہ وکیل کے سپرد یہ کام کردے، تو وہ طلاق خاوند ہی کی طرف سے تسلیم کی جائے گی۔ مذکورہ اثر میں یہی دو صورتیں بیان ہوئی ہیں۔ ایک صورت خیارِ طلاق کی سی ہے بلکہ یہ طلاق بالکنایہ ہے اور دوسری توکیل طلاق کی۔ اس اثر سے زیر بحث تفویض طلاق کا اثبات ہرگز نہیں ہوتا۔

دوسرا اثر، جس سے استدلال کیا گیا ہے، حسب ذیل ہے:

"سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس وفد میں ابو الحلال العتکی رحمہ اللہ آئے، تو کہا: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو اس کا اختیار دے دیا ہے؟ انھوں نے فرمایا: فأمرها بیدها پس اس عورت کا اختیار اس کے پاس ہی ہے۔"[1]

اس میں بھی وہی خیارِ طلاق بلکہ طلاق بالکنایہ کا اثبات ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں، یعنی لڑائی جھگڑے کی صورت میں عورت کو علیحدگی کا اختیار کنائے کی صورت میں دے دینا۔ اس اثر کا بھی تفویض طلاق کے مسئلے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

تیسرا اثر، جس سے استدلال کیا گیا ہے، حسب ذیل ہے:

"سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اس آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو اس کا اختیار دے دیا تو انھوں نے فرمایا: "القضاء ماقضت فإن تناکرا احلف" وہ عورت جو فیصلہ کرے گی وہی فیصلہ ہے، پھر اگر وہ دونوں ایک دوسرے کا انکار کریں تو مرد کو قسم دی جائے گی۔"[2]

یہ اثر نقل کرکے فاضل مفتی حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"یہاں پر چونکہ یہ اختیار نکاح نامے پر شوہر کے دستخطوں اور گواہوں کے ساتھ لکھا ہوا ہے، لہٰذا یہاں کسی قسم کے انکار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"[3]

لیکن اس اثر میں بھی پہلے قابل غور بات تو یہ ہے کہ اس میں بھی طلاق بالکنایہ والا مسئلہ ہی بیان ہوا ہے یا تفویض طلاق کا؟ واقعے پر غور فرمالیا جائے، اس میں بھی طلاق کنائی یا خیارِ طلاق

۱ مصنف ابن ابی شیبۃ: ۵/۵۶، حدیث: ۱۸۰۷۱

۲ مصنف ابن ابی شیبۃ: ۹/۸۵۱، حدیث: ۱۸۳۸۸

۳ ماہنامہ 'الحدیث' حضرو، مئی ۲۰۱۳ء

ہی کا مسئلہ بیان ہوا ہے جس کا شادی کے بعد ہونے والے میاں بیوی کے درمیان شدید جھگڑے سے ہے کہ اگر اختلافات کا کوئی حل نہ نکلے تو خاوند اس کا یہی حل پیش کرے کہ تجھے اختیار ہے میرے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا۔ اس صورت میں ظاہر بات ہے کہ عورت جو فیصلہ کرے گی وہی نافذ ہو گا۔ علیحدگی پسند کرے گی تو طلاق ہو جائے گی، بصورتِ دیگر نہیں۔ لیکن اس طلاق میں بھی فیصلہ کن بات خاوند کی نیت ہی ہے کہ طلاق رجعی ہے یا بائن؟

اس اثر سے بھی رشتۂ ازدواج میں جڑنے سے پہلے ہی نکاح کے موقعے پر مرد کا اپنے اس حق طلاق سے دست بردار ہو کر، جو اللہ نے اسے عطا کیا ہے، عورت کو اس کا مالک بنا دینا، کس طرح ثابت ہوتا ہے؟ ... میاں بیوی کے درمیان عدمِ موافقت کی صورت میں ان کے اختلافات دور کرنے کے کئی طریقے ثابت ہیں۔ ایک یہ ہے جو قرآن کریم میں بیان ہوا ہے کہ ایک ثالث (حَکَم) بیوی کی طرف سے اور ایک خاوند کی طرف سے مقرر کیے جائیں، وہ دونوں کے بیانات سن کر فیصلہ کریں اور دونوں کی کوتاہیوں کو معلوم کر کے ان کو دور کرنے کی تلقین دونوں کو کریں، اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہ بطورِ وکالت ان کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ کر دیں۔ اس کو 'توکیل بالفرقہ' کہا جاتا ہے، یہ وکالت کی وہ صورت ہے جو جائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے جو بعض آثارِ صحابہ سے ثابت ہے کہ خیارِ طلاق کی ہے جو نبی ﷺ نے اختیار فرمائی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر ازواجِ مطہرات علیحدگی کو پسند کرتیں تو آپ ﷺ ان کو طلاق دے کر فارغ کر دیتے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ خاوند علیحدگی کا معاملہ عورت کے سپرد کر دے: أَمْرُكِ بِيَدِكِ (تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں) مذکورہ سارے آثار کا تعلق اسی صورت سے ہے۔ اس جملے کی بابت فقہا کہتے ہیں اور مذکورہ آثارِ صحابہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ اگر عورت علیحدگی اختیار نہیں کرتی اور خاوند ہی کے پاس رہنے کو اختیار کرتی ہے تو طلاق نہیں ہو گی اور اگر وہ علیحدگی کا فیصلہ کرتی ہے تو یہ طلاق شمار ہو گی۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ طلاق ایک ہو گی یا تین طلاقیں۔ ایک طلاق ہونے کی صورت میں رجعی ہو گی یا بائنہ؟ بعض آثار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں خاوند کی نیت کے مطابق فیصلہ ہو گا، اگر اس سے مراد اس کی ایک طلاقِ رجعی ہے تو یہ ایک طلاقِ رجعی شمار ہو گی اور خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ اس میں خاوند کی نیت کے فیصلہ کن ہونے نے اس کو طلاق بالکنایہ بنا دیا ہے اور یوں یہ

خیارِ طلاق سے مختلف صورت ہے کیونکہ اسے اگر خیارِ طلاق کی وہی صورت قرار دیں جو نبی ﷺ نے ازواجِ مطہرات کے سلسلے میں اختیار فرمایا تھا تو اس سے میں بھی طلاق کا حق مرد ہی کو حاصل تھا، اور امرک بیدک میں یہ اختیار عورت کو دے دیا گیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ طلاقِ کنائی بنے گی اس لیے کہ یہ طلاق، طلاقِ رجعی ہوگی یا بائنہ؟ اس کا فیصلہ خاوند کی نیت کے مطابق ہوگا۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس محمد بن عتیق نامی ایک شخص آیا اور اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا بات ہے، روتے کیوں ہو؟ اس نے کہا: میں نے اپنی عورت کو اس کے معاملے کا مالک بنا دیا تھا تو اس نے مجھ سے جدائی اختیار کرلی ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تو نے ایسا کیوں کیا؟ کہنے لگا: بس اسے تقدیر ہی سمجھ لیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر تو رجوع کرنا چاہتا ہے تو رجوع کرلے، یہ ایک ہی طلاق ہے اور تو رجوع کرنے کا اس عورت سے زیادہ اختیار رکھتا ہے۔

اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرا قول یہ نقل ہوا ہے اور اسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی قول بتلایا گیا ہے کہ القضاء ما قضت (عورت جو فیصلہ کرے گی وہی فیصلہ ہوگا)، یعنی اس کے کہنے کے مطابق اسے طلاقِ رجعی یا بائنہ، ایک یا تین شمار کیا جائے گا کیونکہ معاملہ اس کے سپرد کردیا گیا تھا۔

اور ایک تیسری رائے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی یہ بیان کی گئی ہے کہ اگر عورت اسے تین طلاق شمار کرے اور خاوند کہے کہ عورت کو طلاق کا مالک بناتے وقت میری نیت ایک طلاق کی تھی، تین طلاق کا انکار کرے جس کا فیصلہ عورت نے کیا تھا، تو خاوند سے قسم لی جائے گی اور پھر اسے ایک ہی طلاق شمار کرکے خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق دیا جائے گا۔[1]

ان آثار سے، قدرے اختلاف کے باوجود، یہ واضح ہے کہ لڑائی جھگڑے کی صورت میں عورت کو علیحدگی کا اختیار دینا، زیر بحث تفویض طلاق سے یکسر مختلف معاملہ ہے جس کا جواز ان آثار سے کشید کیا جارہا ہے۔ کیونکہ أَمْرُكِ بِيَدِكِ کی صورت یا تو توکیل کی بنتی ہے کہ مرد کسی

1 ملاحظہ ہو، شیخ الحدیث مولانا حافظ ثناء اللہ مدنی، حفظہ اللہ کی تالیف "جائزۃ الاحوذی فی التعلیقات علی سنن الترمذی" حدیث: ۲/۴۵۱-۴۴۹

اور کو وکیل بنانے کے بجائے عورت ہی کو وکیل بنا دیتا ہے یا یہ کنائی صورت ہے کیونکہ اس میں فیصلہ کن رائے خاوند ہی کی ہوگی کہ اگر عورت نے علیحدگی پسند کرلی ہے تو یہ کون سی طلاق شمار ہوگی، رجعی یا بائنہ، ایک یا تین؟ ایک رجعی شمار کرنے کی صورت میں خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

اس سے زیر بحث تفویض طلاق کا اثبات کرنے والوں سے ہمارے چند سوال ہیں:

① تفویض طلاق والی عورت اگر خاوند کو طلاق دے دیتی ہے تو کیا اس میں خاوند کی نیت کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

② اگر خاوند کہے کہ میری مراد اس تفویض طلاق سے ایک طلاقِ رجعی تھی، تو کیا خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہوگا؟

③ اور اگر رجوع کا حق حاصل ہوگا تو پھر تفویض طلاق کی شق ہی بے معنی ہو جاتی ہے، کیونکہ جو عورت بھی اس حق کو استعمال کرتے ہوئے خاوند کو طلاق دے گی تو خاوند رجوع کر لیا کرے گا۔

④ اگر تفویض طلاق میں طلاقِ بائنہ ہوگی تو پھر یہ صورت أَمْرُكِ بِيَدِكِ میں کس طرح آسکتی ہے جس کو اس کے جواز میں دلیل کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے؟ جبکہ أَمْرُكِ بِيَدِكِ کی صورت میں طلاق بائنہ نہیں ہوگی جیسا کہ آثار سے واضح ہے۔[1]

تیسرا اشکال: توکیل (وکیل بنانے) کی اجازت

ایک تیسری اصطلاح 'توکیل' ہے، یعنی ایک جائز کام کو خود کرنے کے بجائے کسی دوسرے شخص سے کرایا جائے۔

شریعت نے اس کو جائز رکھا ہے، اس کو نیابت بھی کہا جاتا ہے۔ طلاق دینا بھی (ناگزیر حالات میں) جائز ہے اور یہ صرف خاوند کا حق ہے، تاہم خاوند اپنا یہ حقِ طلاق وکیل کے ذریعے سے

1 الغرض اسلام میں توکیل کی گنجائش بھی موجود ہے اور طلاقِ کنائی کی بھی، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نظامِ طلاق ہی شوہر کے ہاتھ سے نکل کر، عورت کے ہاتھ میں چلا گیا جیسا کہ تفویض طلاق کے سلسلے میں باور کیا جاتا ہے، بلکہ یہ مرد کے ہی حق طلاق کے کنایہ وو کالتاً استعمال کی صورتیں ہیں، جس کی کیفیت اور نوعیت کا تعین شوہر ہی کرتا ہے۔ ایسی ہی صورت تخییر کی ہے، جس کے بعد طلاق آخرکار مرد ہی دیتا ہے۔ مدیر

استعمال کرے تو دوسرے معاملات کی طرح یہ توکیل بھی جائز ہے۔ قرآن کریم کی آیت: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾[1] میں جمہور علما کے نزدیک حَکَمَین کے 'توکیل بالفرقہ' ہی کے اختیار کا بیان ہے۔

اسی توکیل میں وہ خاص صورت بھی شامل ہے جو پنچایتی توکیل کی ضرورت پیدا کر دیتی ہے، مثلاً: ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتا حتیٰ کہ بیوی بار بار اپنے میکے آجاتی ہے اور خاوند بار بار حسن سلوک کا وعدہ کر کے لے جاتا ہے لیکن وعدے کے مطابق حسن سلوک نہیں کرتا، بالآخر لڑکی کے والدین تنگ آکر اس سے وعدہ لیں کہ اس دفعہ عہد کی پاسداری نہیں کی تو ہم آئندہ اس کو تمہارے پاس نہیں بھیجیں گے، خاوند سے پنچایت میں یہ اقرار لیا جائے۔ اس صورت میں یہ پنچایت 'توکیل بالفرقہ' کا کردار ادا کر کے دونوں کے درمیان جدائی کروادے۔

پنچایت یا عدالت کا یہ فیصلہ طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا، جیسے خلع میں عدالت کا فیصلہ فسخ نکاح سمجھا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی عدالت کے اقربا خاوند سے تفویض طلاق کا مطالبہ نہیں کر سکتے کہ تم بیوی کو حق طلاق تفویض کرو، یعنی معاہدۂ حسن سلوک کی پاسداری نہیں کی گئی تو بیوی حق طلاق استعمال کرے گی بلکہ خلع کی طرح پنچایت یا عدالت ہی علیحدگی کا فیصلہ کرے گی۔

خلع اور اس توکیل میں فرق یہ ہے کہ خلع میں حق مہر واپس لینے کا حق خاوند کو حاصل ہے جب کہ پنچایتی فیصلے میں خاوند کو یہ حق نہیں ہوگا کیونکہ یہ جدائی خاوند کے اقرار یا وعدے کی بنیاد پر ہوگی۔ دوسرے، توکیل کی وجہ سے یہ جدائی طلاق کے قائم مقام ہوگی۔

چوتھی نوعیت: تفویض طلاق؟

چوتھی اصطلاح، تفویض طلاق ہے جس کی اجازت فقہاے احناف اور دیگر بعض فقہا دیتے ہیں لیکن شریعت میں اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گزری۔ کیونکہ بیوی کو حق طلاق تفویض کرنے میں ان تمام حکمتوں کی نفی ہے جو حق طلاق کو صرف مرد کے ساتھ خاص کرنے میں مضمر ہیں۔

[1] سورۃ النساء:۳۵

اس اعتبار سے عورت کو کسی بھی مرحلے میں حق طلاق تفویض نہیں کیا جاسکتا۔ نہ ابتدا میں عقدِ نکاح کے وقت اور نہ بعد میں عدمِ موافقت کی صورت میں۔ عدم موافقت کی صورت میں چار صورتیں جائز ہوں گی جن کی تفصیل گزری۔ ہم خلاصے کے طور پر اسے دوبارہ مختصراً عرض کرتے ہیں:

① تخییر: نبی ﷺ کی طرح خاوند کی طرف سے عورت کو اختیار دیا جاسکتا ہے کہ وہ خاوند کے ساتھ رہنا پسند کرتی ہے یا نہیں؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہو تو خاوند اس کو طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر دے، جیسا کہ ﴿ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴾[1] سے واضح ہے، یعنی طلاق دے کر علیحدگی کا کام مرد ہی کی طرف سے ہوگا۔

② توکیل: یا پھر حَكَمَيْن (دو ثالثوں) کے ذریعے سے توکیل کا اہتمام کیا جائے گا۔ ایک ثالث خاوند اور ایک بیوی کی طرف سے ہوگا۔ وہ دونوں میاں بیوی کی باتیں آمنے سامنے یا الگ الگ (جو بھی صورت مناسب اور مفید ہوگی) سنیں گے اور اس کی روشنی میں صلح و مفاہمت کی مخلصانہ کوشش کریں گے لیکن اگر یہ کوشش کامیاب نہ ہوئی تو پھر وہ، ان دونوں کے درمیان جدائی کا فیصلہ کردیں گے۔ یہ فیصلہ بھی طلاق کے قائم مقام ہوگا۔

③ یا أَمْرُكِ بِيَدِكِ، کہہ کر خاوند عورت کو علیحدگی کا حق دے دے۔ یہ بھی اختلافات ختم کرنے کی ایک صورت ہے جو آثارِ صحابہ سے ثابت ہے اور یہ طلاقِ کنائی کی ایک شکل ہے۔

④ یا خلع یا پنچایت کے ذریعے سے علیحدگی عمل میں لائی جائے گی۔ خلع کی صورت میں عورت کو حق مہر وغیرہ واپس کرنا پڑے گا۔

ان چار طریقوں کے علاوہ کوئی چوتھا طریقہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہوگا۔

اور یہ تفویض طلاق پانچواں طریقہ ہے جو فقہا کا ایجاد کردہ ہے جس کی شریعت میں کوئی اصل ہے، نہ صحابہ و تابعین کا کوئی اثر اس کی تائید میں ہے۔

ایک اور عجیب جسارت یا حیلہ

احناف شریعت کے دیے ہوئے اس حق خلع کو نہیں مانتے جو عورت کو مرد کے حق طلاق

[1] سورۃ الاحزاب: ۲۸

کے مقابلے میں دیا گیا ہے، جبکہ عورت کو اس کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ اس لیے احناف نے اس کا متبادل حل ایک تو تفویض طلاق کی صورت میں ایجاد کیا جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں آپ نے ملاحظہ کی، اس کا ایک اور حل فقہ حنفی کی کتابوں میں لکھا ہے جو عجیب بھی ہے اور اسلامی تعلیمات کے مقابلے میں شوخ چشمانہ جسارت بھی۔

اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی عورت کو اس کا خاوند نہ چھوڑتا ہو اور وہ اس کے ہاتھ سے تنگ ہو تو وہ خاوند کے بیٹے سے زِنا کروالے، تاکہ وہ خاوند پر حرام ہو جائے کیونکہ فقہ حنفی میں حرام کاری سے بھی رشتۂ مصاہرت قائم ہو جاتا ہے۔[1]

اس حیلے کی بھی ضرورت اسی لیے پیش آئی کہ قرآن وحدیث میں بیان کردہ حق خلع علمائے احناف کو تسلیم نہیں ورنہ اس قسم کی صورتوں میں عورت عدالت سے خلع کے ذریعے سے ناپسندیدہ یا ظالم شوہر سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔ هَدَاهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی

ہمارے نزدیک یہ حیلہ بھی بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ حرام کام کے کرنے سے کوئی حلال حرام نہیں ہو سکتا۔ میاں بیوی کا تعلق حلال ہے، بیوی اگر خاوند کے بیٹے سے اپنا منہ کالا کروائے گی تو زناکاری جیسے جرم کبیرہ کی مرتکب ہوگی لیکن اس سے وہ اپنے میاں کے لیے حرام نہیں ہو گی، حدیث رسول ﷺ ہے: «لَا يُحَرِّمُ الحَرامُ الحلالَ»[2]

"حرام کام حلال کو حرام نہیں کرے گا۔"

اس لیے اَسلم واَحوط راستہ عورت کے لیے حق خلع کا تسلیم کرنا ہے، اس حق شرعی کو ماننے کے بعد نہ تفویض طلاق کے کھکیڑ میں پڑنے کی ضرورت باقی رہتی ہے اور نہ اپنے سوتیلے بیٹے سے منہ کالا کرانے کی۔ اس کے بغیر ہی عورت خاوند سے نجات حاصل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے شریعت نے جب کئی معقول طریقے تجویز کیے ہوئے ہیں تو ان کو چھوڑ کر اپنے خود ساختہ غیر معقول تجاویز پر اصرار کرنا کہاں کی دانش مندی ہے؟ وما علينا إلا البلاغ المبين

۱ شرح بخاری، از مولانا داود راز دہلوی: ۸/ ۲۶۶، طبع مکتبہ قدوسیہ لاہور

۲ سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۵، مزید ملاحظہ ہو: ارواء الغلیل، للالبانی: ۶/ ۲۸۷، نیز دیکھیے: تفسیر احسن البیان، سورۃ النساء کی آیت ۲۳ کا حاشیہ

ثروت جمال اصمعی

مساواتِ مردو زَن کے نعرے اور مغربی خواتین کی حالتِ زار

مغربی تہذیب کے بنیادی مراکز کا خصوصی مطالعہ

جدید مغربی تہذیب کا مولد اور اوّلین پیشوا انگلستان یا برطانیہ ہے۔ امریکہ سپر پاور ہونے کے باوجود مغرب کی تہذیبی اقدار کی نمائندگی کے حوالے سے آج بھی برطانیہ کا ہم پلّہ نہیں۔ اس لئے مغرب میں عورتوں کے ساتھ برتاؤ کے حوالے سے برطانیہ کا مطالعہ نہایت اہم ہے۔ مساواتِ مردوزن کا نعرہ برطانیہ ہی میں سب سے پہلے بلند ہوا لیکن آزادئ نسواں کی تحریک کو تقریباً تین صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی خود برطانوی اہل فکر و نظر کے مطابق برطانیہ کی عورت مساوی حقوق اور باوقار مقام سے محروم ہے اور دفاتر اور کارگاہوں میں اس کے ساتھ امتیازی سلوک معمول کا حصہ ہے۔ اس حوالے سے کچھ اہم حقائق اور معلومات اس باب میں پیش کی جارہی ہیں۔

تیس ہزار برطانوی عورتیں حمل کے باعث ہر سال روزگار سے محروم

مؤقر اور معروف برطانوی جریدے گارجین کی ۵/ جون ۲۰۰۹ء کی ایک رپورٹ کے مطابق مساواتِ مردوزن کی تحریک کے سرخیل اس ملک میں آج بھی ہر سال اوسطاً ۳۰ ہزار عورتیں ملازمتوں سے فارغ کی جاتی ہیں۔ "Employers targeting pregnant women for redundancy" یعنی "مالکان حاملہ عورتوں کو فاضل قرار دے کر نشانہ بنارہے ہیں" کی سرخی کے تحت شائع کی جانے والی اس رپورٹ میں کہا گیا ہے:

"اپنی ملازمتوں سے محروم ہونے والی حاملہ عورتوں اور نئی ماؤں کی تعداد میں چونکا دینے والا اضافہ دیکھا جارہا ہے کیونکہ مالکان، بچے نہ رکھنے والے اُن کے دفتری ساتھیوں کے مقابلے میں اُنہیں غیر ضروری قرار دے کر ملازمتوں سے نکال دیتے

ہیں۔ یہ معلومات اس ہفتے وجود میں آنے والا مددگار گروپوں کا ایک اتحاد منظر عام پر لایا ہے۔ حاملہ عورتوں کے ساتھ کارگاہوں میں امتیازی سلوک کے خلاف بننے والے اتحاد "The Alliance Against Pregnancy Discrimination in the Workplace" نے وکلا اور امدادی اداروں سے مشاورت کرنے والی عورتوں کی تعداد میں تیز رفتار اضافہ دیکھا ہے کیونکہ زچگی کی چھٹیوں یا ایام حمل کے دوران ان کی نوکریاں ختم کی جاتی رہی ہیں۔ اتحاد نے گزشتہ روز متنبہ کیا کہ "اس صورتِ حال سے پتہ چلتا ہے کہ بعض مالکان سرد بازاری کو امتیازی سلوک کے انسدادی قانون کو توڑنے کا بہانہ بنا رہے ہیں.... زچگی کی چھٹی کے نتیجے میں ملازمت سے محرومی کے طویل المیعاد اثرات عورتوں کے مالی تحفظ کو اُن کی پوری زندگی کے لئے خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔"

'ایکولٹی' Equality نامی تنظیم اور انسانی حقوق کے کمیشن کے مطابق اندازہ لگایا گیا کہ ہر سال تقریباً ۳۰ ہزار عورتیں حمل کی بنا پر اپنے روزگار سے محروم ہو جاتی ہیں، لیکن خدشہ ہے کہ معاشی انحطاط کی وجہ سے یہ تعداد اور بڑھے گی۔ حکومت اس نوعیت کے امتیازی سلوک کے بارے میں کوئی معلومات اور اعداد و شمار جمع نہیں کر رہی ہے اور ٹریبونلز سروس کے لیے اس عمل میں کوئی رکاوٹ ڈالنا فی الوقت محال ہے۔"[1]

مردوں کے مساوی تنخواہ کے لئے ۹۸ سال مزید انتظار

گارجین نے اپنی ۱۳ر اگست ۲۰۱۱ء کی اشاعت میں ایک خبر اس سرخی کے ساتھ شائع کی ہے کہ "خواتین ایگزیکٹیوز کو مساوی تنخواہ کے لئے ۹۸ سال انتظار کرنا پڑ سکتا ہے۔"

"Women executives could wait 98 years for equal pay."

یہ خبر برطانیہ کے چارٹرڈ مینجمنٹ انسٹی ٹیوٹ کی ایک رپورٹ پر مبنی ہے۔ اس کی ذیلی سرخی یہ ہے کہ "انتظامی عہدوں پر کام کرنے والی عورتیں پہلے ہی مردوں سے

1 http://www.guardian.co.uk/society/2009/jun/05/pregnant-women-targeted-redundancy?INTCMP=ILCNETTXT3487

دس ہزار پونڈ کم لے رہی ہیں۔" خبر کا آغاز یوں ہوتا ہے: "عورتوں کو رائے دہی کا مساوی حق تو ۱۹۲۸ء سے حاصل ہے مگر تنخواہوں میں برابری کے لئے اُنہیں مزید ۹۸ سال انتظار کرنا پڑ سکتا ہے۔ یہ بات ایک ریسرچ کے نتیجے میں سامنے آئی ہے۔"

خبر میں مزید کہا گیا ہے کہ "خواتین ایگزیکٹیوز کی تنخواہیں اگرچہ اپنے مرد ساتھیوں کی نسبت زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہیں لیکن اگر اضافے کی رفتار وہی رہی جو اب ہے تو باہمی فرق ختم ہوتے ہوتے سن ۲۱۰۹ء آجائے گا، یہ انکشاف چارٹرڈ مینجمنٹ انسٹی ٹیوٹ نے کیا ہے۔ ریسرچ کی رُو سے مرد منتظمین کو یکساں ذمہ داریوں کے لئے بدستور عورتیں سے زیادہ معاوضہ دیا جارہا ہے، عورتوں کی ۳۱۸۹۵ پاؤنڈ تنخواہ کے مقابلے میں مردوں کو اوسطاً ۴۲۴۴۱ پاؤنڈ دیے جارہے ہیں۔ ریسرچ کے مطابق پچھلے سال تنخواہوں میں جو فرق ۱۰۰۳۱ پاؤنڈ تھا، وہ بڑھ کر ۱۰۵۴۶ پاؤنڈ ہوگیا ہے، باوجود یہ کہ فروری ۲۰۱۱ء تک بارہ مہینوں میں عورتوں کی تنخواہیں مردوں کی ۲،۱ شرح کے مقابلے میں ۲،۴ کی شرح سے بڑھیں۔"[1]

بیس فی صد بڑی کمپنیوں کی انتظامیہ میں عورتوں کا حصہ صفر

گارجین کی ۱۳؍اکتوبر ۲۰۱۱ء کی ایک خبر کے مطابق برطانیہ کی بڑی کمپنیوں کے ڈائریکٹروں میں عورتوں کا حصہ ہولناک حد تک کم ہے۔

"Shocking, lack of women top company directors" کی سرخی کے تحت شائع ہونے والی اس خبر میں، جس کی بنیاد ڈیلائٹ نامی ادارے کی ایک ریسرچ ہے، کہا گیا ہے:

"برطانیہ کی سب سے بڑی کمپنیوں کے بورڈ آف ڈائریکٹرز میں عورتوں کا ہولناک حد تک کم تناسب جمعرات کو منظر عام پر آنے والے ایک تجزیے سے عیاں ہوا جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ بھرتیوں کی موجودہ شرح سے بورڈ رومز میں یہ فرق ۲۰ سال میں تین ڈائریکٹروں میں سے ایک کے عورت ہونے تک پہنچے گا۔ ڈیلائٹ

1 http://www.guardian.co.uk/society/2011/aug/31/cmi-equal-pay-report

کی اس رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ FTSE 100 کی ۲۰ فی صد کمپنیوں کے بورڈوں میں کوئی خاتون ڈائریکٹر شامل نہیں ہے جبکہ اعلیٰ انتظامی عہدوں میں سے صرف پانچ فی صد پر عورتیں فائز ہیں۔ ڈیلائٹ کی ٹیم میں شامل کیرول ایرواسمتھ کے بقول ایسی کمپنیوں کی تعداد بلاشبہ ہولناک ہے جن کے بورڈز میں کوئی خاتون رکن نہیں۔ یہ بات خاص طور پر باعثِ تشویش ہے کہ ۱۰ سال کے دوران بورڈز آف ڈائریکٹر میں عورتوں کا تناسب ۵ سے بڑھ کر صرف ۹ فی صد تک پہنچا ہے۔ اس شرح سے بورڈز میں عورتوں کی نمائندگی کے ۳۰ فی صد تک پہنچنے میں مزید ۲۰ سال لگیں گے جو تھرٹی پرسنٹ کلب کا ہدف ہے۔"[1]

برطانیہ کی 'سیکس انڈسٹری' کو سالانہ چار ہزار عورتوں کی فراہمی

گارجین کی ۲۲راگست ۲۰۰۷ء کی اشاعت میں انکشاف کیا گیا ہے کہ برطانیہ میں ہر سال ناقابل یقین تعداد میں عورتیں عصمت فروشی کے کاروبار کے لئے مختلف ملکوں سے لائی جاتی ہیں۔ 'مارکیٹ فورسز' کی سرخی والی اس خبر کی ذیلی سرخی کے الفاظ ہیں:

"بہت سے مرد جنسی خواہش کی تکمیل کے لئے عورتوں کی خریداری کو محض شاپنگ کی ایک اور قسم سمجھتے ہیں، لیکن ان کا یہ طرزِ عمل اس کاروبار کے لئے عورتوں کی غیر قانونی تجارت اور درآمد (ٹریفکنگ) کو تیزی سے بڑھا رہا ہے۔"

رپورٹ میں کیا گیا یہ انکشاف مغربی تہذیب کے اس عظیم مرکز میں عورتوں کے مقام و مرتبے کی بلندی کا اندازہ لگانے کے لئے کافی ہے کہ

"سرکاری اعداد و شمار سے یہ تخمینہ سامنے آتا ہے کہ برطانیہ میں ہر سال کوئی چار ہزار عورتیں سکڑتی ہوئی سرحدوں اور سیکس کی خریداری کے حوالے سے بدلتے ہوئے رویوں سے مہیا ہونے والی سہولتوں کی بنا پر فروغ پذیر سیکس انڈسٹری کی مانگ پوری کرنے کے لئے درآمد کی جاتی ہیں۔"

1 http://www.guardian.co.uk/business/2011/oct/13/shocking-lack-women-directors-ft

ان حقائق کو سامنے لانے کا سہرا CCAT نامی ادارے کے سر ہے جو کرائیڈن کمیونٹی اگینسٹ ٹریفکنگ کا مخفف ہے۔ کرائیڈن (Croydon) جنوبی لندن کا علاقہ ہے۔ یہاں وزارتِ داخلہ کے دفاتر واقع ہیں جن میں بارڈر اور امیگریشن ایجنسی بھی شامل ہیں لہٰذا اس علاقے میں یہ کاروبار زیادہ آسان ہے۔ نتیجہ یہ کہ گارجین کے الفاظ میں یہاں "جنسی ہوس پوری کرنے کے لئے درآمد کی گئی عورتوں کی خریداری اتنی ہی سہل ہے جیسے پیزا کا آرڈر دینا۔"

خبر کے مطابق علاقے میں اس کاروبار کے تیزی سے پھلنے پھولنے کی وجہ سے مقامی لوگوں نے پریشان ہو کر اپنے طور پر معاملات کی تحقیق کی کوشش کی تاہم انتقامی کارروائی کے خوف سے اُنہوں نے اپنی شناخت پوشیدہ رکھنے کا اہتمام کیا۔ اُنہوں نے سٹے بازوں کی حیثیت سے سو قحبہ خانوں، حماموں (Saunas) اور اسکارٹ ایجنسیوں کو فون کیے جن کے اشتہارات مقامی اخبارات میں شائع ہوئے تھے اور پھر یہ جان کر ششدر رہ گئے کہ عصمت فروشی کے لیے بیچی جانے والی ۸۴ فیصد عورتیں بیرونِ ملک سے لائی گئی تھیں، اور ان میں سے اکثر غیر قانونی طور پر خریدی اور بیچی گئی تھیں۔[1]

مظلوم عورتوں کو ۲۰۱۱ء میں بھی قانونی تحفظ نہیں ملا

برطانیہ میں عورتوں کی یوں بے روک ٹوک تجارتی سطح پر درآمد اور اُنہیں عصمت فروشی پر مجبور کیے جانے کے خلاف آواز اُٹھائی گئی اور حکومت نے انسانی ٹریفکنگ کے خلاف ۲۰۱۱ء میں قانون سازی بھی کی لیکن ماہرین کے بقول یہ قانون سازی برطانیہ میں جبری عصمت فروشی کے لیے عورتوں کی درآمد پر اثر انداز نہیں ہو گی بلکہ روزگار کے لیے برطانیہ کا رخ کرنے والے عام تارکینِ وطن کی آمد کو روکنے تک محدود رہے گی۔

گارجین کی ۲ جولائی ۲۰۱۱ء کی اشاعت میں "New trafficking laws, will not care for slavery victims" کی سرخی کے تحت ہیومن ٹریفکنگ فاؤنڈیشن کے سربراہ اور ۲۰۱۰ء تک پارلیمنٹ کے رکن رہنے والے انتھونی اسٹین کا بیان عصمت فروشی پر

1 http://www.guardian.co.uk/society/2007/aug/22/guardiansocietysupplement.crime1

مجبور کردی جانے والی درآمد شدہ عورتوں کے حوالے سے حقیقت واضح کرتا ہے۔ انھوں نے اس مسئلے کے حل کے لئے کل جماعتی پارلیمانی گروپ بھی بنایا تھا۔ تاہم اس ضمن میں بننے والے قانون پر اُن کا کہنا تھا کہ یہ بات باعثِ افسوس ہے کہ انسانی تجارت کی روک تھام کے لئے تشکیل دی جانے والی حکمتِ عملی میں اصل زور بے بس عورتوں کے مسئلے کے بجائے سیاسی معاملات پر دیا گیا ہے، اُن کے بقول:

> ''حکومت کی جانب سے انسانی تجارت کے مسئلے کو ترجیح دینے کا دعویٰ حقیقت کی عکاسی نہیں کرتا، انسانی ہمدردی کے نقطہ نظر سے اس قانون کو تارکین وطن کے بجائے انسانوں کی تجارت کرنے والوں کے خلاف اور ان کا نشانہ بننے والوں کے لئے ہمدردی پر مبنی ہونا چاہیے تھا۔''[1]

برطانیہ میں عورتوں پر گھروں میں تشدد

مغرب کی تہذیبی اقدار کے مثالی مرکز انگلستان میں عورتوں کے ساتھ گھروں میں ان کے شوہروں یا بوائے فرینڈز وغیرہ کی جانب سے جو سلوک روا رکھا جاتا ہے، اس بارے میں سرکاری اور دیگر معتبر ذرائع کے فراہم کردہ کچھ اہم اعداد و شمار ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں:[2]

① ۴۵ فیصد عورتیں کسی نہ کسی نوعیت کے گھریلو تشدد کے تجربے سے گزرتی ہیں مثلاً جنسی زیادتی یا خوف زدہ کیا جانا۔[3]

② تقریباً ۲۱ فیصد لڑکیاں بچپن میں کسی نہ کسی قسم کی جنسی زیادتی کا شکار ہوتی ہیں۔[4]

③ ہر سال کم از کم ۸۰ ہزار عورتیں زنا بالجبر کا نشانہ بنتی ہیں۔[5]

④ ایمنسٹی انٹرنیشنل کے ایک سروے کے مطابق سوال کا جواب دینے والے چار میں سے ایک شخص کا خیال تھا کہ زنا بالجبر کا نشانہ بننے والی عورت اس عمل کی جزوی یا کلی طور پر

1 http://www.,guardian.co.uk/uk/2011/jul/02/human-trafficking-laws- immigration-control
2 http://www.whiteribboncampaign.co.uk/Resources/violence_against _women
3 Walby, S.&Allen.J.(2004) Docestic violence, sexual assault and stalking: Findings from the British Crime Survey. Home Office. London.
4 HM Government(2007) Cross-government Action Plan on Sexual Violence and Abuse. Home Office. London.
5 Walby, S. & Allen, J. (2004) Domestic violence, sexual assault and stalking: Findings from the British Crime Survey. Home Office. London.

خود ذمہ دار ہے، اگر اس نے جنسی خواہش کو بھڑکانے یا جسم کو نمایاں کرنے والا لباس پہن رکھا ہو اور ہر پانچ میں سے ایک شخص اس نقطہ نظر کا حامی تھا کہ اگر کوئی عورت متعدد افراد سے جنسی تعلق رکھتی ہو۔[1]

⑤ انگلستان اور ویلز میں ہر ہفتے دو عورتیں اپنے کسی متشدد مرد دوست یا سابق دوست کے ہاتھوں قتل ہو جاتی ہیں۔ یوں گھروں میں ماری جانے والی تقریباً ۴۰ فیصد عورتیں اسی طرح قتل ہوتی ہیں۔[2]

⑥ گھریلو تشدد کے ۷۰ فیصد واقعات کا نتیجہ زخمی ہونے کی شکل میں نکلتا ہے جبکہ جان پہچان والوں کے تشدد میں یہ تناسب ۵۰ فیصد، اجنبی لوگوں کے تشدد میں ۴۷ فیصد اور راہ زنی کے واقعات میں ۲۹ فیصد دیکھا گیا۔[3]

⑦ جبری شادیوں کا ہدف بننے والوں میں ۸۵ فیصد عورتیں ہوتی ہیں۔[4]

⑧ گھریلو تشدد پر، اس کا نشانہ بننے والوں کے ذاتی خرچ کے علاوہ علاج معالجے اور ریاست کے مجموعی اخراجات کا تخمینہ ۲۳ بلین پاؤنڈ سالانہ ہے۔[5]

پالتو کتے پر تشدد قابل مذمت، لیکن عورتوں پر نہیں

گھروں کے اندر عورتوں پر تشدد کو برطانوی معاشرے میں جس طرح قبول کر لیا گیا ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ بی بی سی کی جانب سے ۱۸ فروری ۲۰۰۳ء کو پیٹر گلاوڈ کی "Scale of domestic abuse uncovered" یعنی "گھریلو تشدد کا پیمانہ بے نقاب" کے زیر عنوان پیش کردہ ایک سروے رپورٹ میں بتایا گیا کہ ۷۸ فیصد مردوں اور عورتوں نے کہا کہ اگر ان کے پڑوس میں کوئی شخص اپنے پالتو کتے کو پیٹ رہا ہو گا تو وہ پولیس کو

1 Amnesty UK (2005) Sexual Assault Research. Amnesty.
2 Provey, D. (2005) Crime in England and Wales 2003/2004: Supplementary Volume 1:Homicide and Gun Crime. Home Office Statistical Bulletin No.02/05. Home Office. London: Department of Health(2005) Responding to Domestic Abuse. DH. London. (from Statisics on Domestic Violence: www.womensaid.org.uk)
3 Dodd, T. et al (2004) Crime in England and Wales 2003-2004. Home Office. London (from 'Statistics on Domestic Violence' www.womensaid.org.uk
4 Forced Marriage: A Wrong not a Right, Home Office and Foreign & Commonwealth Office,2005
5 S Walby, The Cost of Domestic Violence

اطلاع دے کر اُسے بچانے کی کوشش کریں گے جبکہ کسی گھر میں کسی مرد کی جانب سے اپنی بیوی یا دوست عورت پر تشدد کیے جانے کی صورت میں پولیس کو اطلاع دینے پر صرف ۵۴ فیصد نے آمادگی ظاہر کی۔[1]

گھر، عورتوں کے لیے سب سے خطرناک جگہ

اس تکلیف دہ اور شرمناک صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ممتاز برطانوی دانشور اور تجزیہ کار Ian Sinclair اپنے تجزیے 'عورتوں کے خلاف تشدد' (Violence Against Women) کے زیر عنوان میں کہتے ہیں:

"عورتوں کو درپیش خطرات کے حوالے سے ہمیں پورے معاملے پر از سرِ نو سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ مین اسٹریم میڈیا اگرچہ مسلسل اجنبیوں کے خطرے کا غوغا برپا کیے ہوئے ہے، مگر فی الحقیقت عورت کے لئے سب سے خطرناک جگہ اس کا اپنا گھر ہے۔ اکثر اسے آرام دہ اور محفوظ جنت تصور کیا جاتا ہے لیکن عملاً یہ ایسی جگہ ہے جہاں اُسے خوف، زخم اور بعض اوقات موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جیسے کہ برطانیہ میں ہر ہفتے دو عورتیں اپنے موجودہ یا سابقہ مرد آشناؤں کے ہاتھوں قتل ہوتی ہیں۔"[2]

گھروں میں یہ سب کچھ کیوں کر ممکن ہوتا ہے؟ ... اس گتھی کو سلجھاتے ہوئے یونیورسٹی آف برسٹول کے 'وائلنس اگینسٹ ویمن ریسرچ گروپ' کی ڈائریکٹر گل ہیگ (Gill Hague) کہتی ہیں:

"گھر بہر صورت بند دروازوں کے پیچھے، عام لوگوں کی نگاہوں سے دور، پرائیویسی اور دوسرے لوگوں کے معاملات میں عدم مداخلت کے گفتہ و ناگفتہ قوانین کے فراہم کردہ تحفظ کا حامل ہے۔"[3]

1 http://news. Bbc.co.uk/2/hi/uk_news/2752567.stm
2 http://zcommunications. org/violence-against-women-by-ian-sinclair
3 Gill Hague and Ellen Malos, Domestic violence. Action for change (New Clarion Press, Cheltenham, 2005) . P.6.

آبروریزی کے مجرموں کی سزایابی کی شرح میں مسلسل کمی

برطانوی وزارتِ داخلہ کی ایک رپورٹ کے مطابق جو گارجین کی ۲۱ جولائی ۲۰۰۷ء کی اشاعت میں "آبروریزی کے مجرموں کی سزا یابی کی شرح میں اضافے کی کوششیں ناکام" "Efforts fail to improve rape conviction rates" کے عنوان سے شائع ہوئی، بتایا گیا ہے کہ عورتوں کی آبروریزی کے مجرموں کی سزایابی کی شرح پست ترین سطح تک گر چکی ہے۔ Sandra Laville کی اس رپورٹ کے مطابق حکومت، پولیس اور پراسیکیوٹرز کی کوششوں کے باوجود اس شرح میں اضافہ نہیں ہو رہا اور کئی سال سے یہی کیفیت ہے۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۴ء میں پولیس کو رپورٹ کیے جانے والی عصمت دری کی وارداتوں میں صرف چھ فیصد ملزمان کو سزا ہوئی جبکہ ۱۹۷۰ء کی دہائی میں یہ شرح ۳۲ فیصد تھی۔[1]

آبروریزی کے مجرموں کی سزایابی کی اتنی کم شرح پر "Rape: a history from 1860 to present" نامی کتاب کی مصنفہ Joanna Bourke لکھتی ہیں:

> "عصمت دری کے جن مجرموں کے مقدمات کا نتیجہ سزا کی شکل میں نکلے انہیں اپنے آپ کو استثنائی طور پر بدقسمت سمجھنا چاہیے۔"[2]

اس کے ساتھ ساتھ جنسی جارحیت کا نشانہ بننے والی خواتین کی دیکھ بھال کے مراکز کی تعداد اور ان کے لئے مختص کی جانے والی رقم میں بھی مسلسل کمی ہو رہی ہے۔ گارجین میں تین جولائی ۲۰۰۷ء کو شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق انگلستان اور ویلز میں 'ریپ کرائسز سنٹرز' کی تعداد ۱۹۸۵ء میں ۸۴ تھی جو ۲۰۰۷ء میں گھٹ کر صرف ۳۲ رہ گئی اور ان میں سے بھی نصف کو قلتِ وسائل کے سبب بندش کے خطرے کا سامنا تھا۔[3]

'لندن میٹروپولیٹن یونیورسٹی' میں جنس زدہ تشدد کے مضمون کی پروفیسر Liz Kelly

1 http://www.guardian.co.uk/uk/2007/july/21/ukcrime.immigrationpolicy
2 Joanna Bourke. Rape: a history from 1860 to present Virago Press Ltd. London, 2007
3 http://www.guardian.co.uk/society/2007/jul/03/crime.penal

نشاندہی کرتی ہیں کہ اس عرصے میں پول ڈانسنگ کلبوں کی تعداد بڑھ کر تین گنا ہو گئی ہے جس سے برطانوی معاشرے کی موجودہ ترجیحات واضح ہیں۔

(۲) امریکہ میں خواتین سے سلوک

یکساں کام کی اُجرت مردوں سے ۲۳ فیصد کم

امریکہ کی نیشنل آرگنائزیشن فار ویمن کی جانب سے "امریکہ میں محنت کش عورتوں کے کام کے حالات یورپ کے مقابلے میں ابتر ہیں۔" کے عنوان سے پیش کی گئی ایک تحقیقی رپورٹ کے مطابق، جو فروری ۲۰۱۱ء میں منظر عام پر آئی جسے Riley Karbon اور Field intern نے مرتب کیا ہے، امریکہ میں ایک ہی نوعیت کے جس کام کے لئے مرد کارکن کو ایک ڈالر دیا جاتا ہے، خاتون ورکر کے لئے اسی کام کی اُجرت ۷۷ سینٹ ہے حالانکہ ورک فورس میں اب امریکہ میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے اور یہ حقیقت رپورٹ کے مطابق محکمہ محنت کے ان ہی دنوں جاری کردہ رپورٹ سے واضح ہے۔[1]

چنانچہ 'نیشنل آرگنائزیشن فار ویمن' نے ۱۲/ اپریل ۲۰۱۱ء کو عورتوں اور مردوں کی اُجرتوں کے فرق کے خاتمے کا دن منایا۔ اس موقع پر تنظیم کی صدر ٹیری اونیل Terry O'Neill نے بیان دیتے ہوئے کہا:

"فی الوقت عورتوں کو مردوں کے ایک ڈالر کے مقابلے میں ۷۷ سینٹ ادا کیے جاتے ہیں۔ ذرا سوچیے، پورے سال کل وقتی ملازمتیں کرنے والی محنت کش خواتین کارکنان، دو دہائیوں سے مردوں کے مقابلے میں ۷۰ اور ۸۰ فیصد کے درمیان تنخواہوں پر رُکی ہوئی ہیں۔ مساوی اُجرت کا دن اس عدمِ مساوات کے خلاف ایک پُر زور یاددہانی ہے۔ یہ دن اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ نئے سال میں متوسط درجے کی عورتوں کو وہ رقم حاصل کرنے کے لئے لازمی طور پر کتنا کام کرنا ہوگا جو

1 http://www.now.org/news/blogs/index/php/sayit/2010/02/11.working-conditions-for-women-inu-s-lag-behing-europe

متوسط درجے کے مردوں کو پچھلے سال ادا کی جاچکی ہے۔ اس امر پر بھی خصوصی توجہ دی جانی چاہیے کہ رنگ دار عورتوں کی تنخواہیں، نسلی امتیاز کی وجہ سے اوسط سے اور بھی پیچھے ہیں۔"[1]

عورتوں پر تشدد: اقوام متحدہ کی نمائندۂ خصوصی کی رپورٹ

امریکہ میں عورتوں پر تشدد کے ہمہ پہلو جائزے کے لئے ۲۴ جنوری سے ۷ فروری ۲۰۱۱ء تک اقوام متحدہ کی 'ہیومن رائٹس کونسل' کے خصوصی نمائندے کی حیثیت سے پروفیسر راشدہ منجو نے امریکہ کا مطالعاتی دورہ کیا۔ اس سے پہلے ۲۰۰۹ء میں بھی وہ تین ماہ کے لئے اس تحقیقی مشن پر کام کر چکی تھیں۔ راشدہ منجو جنوبی افریقہ میں ہائی کورٹ کی وکیل ہیں اور امریکہ کی ویبسٹر یونیورسٹی میں معلمی کے فرائض بھی انجام دیتی رہی ہیں۔ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اُنہوں نے "عورتوں کے خلاف تشدد، اس کی وجوہات اور نتائج و اثرات" کے عنوان سے یہ رپورٹ ۱۰ اکتوبر ۲۰۱۱ء کے اجلاس میں پیش کی جس کی خبر اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے ہائی کمشنر کے دفتر کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔[2]

اس مفصل رپورٹ میں پیش کیے گئے کچھ اہم واقعات، حقائق اور اعداد و شمار یہ ہیں:[3]

شوہروں اور دوستوں کے ہاتھوں تشدد

گھریلو تشدد یعنی شوہروں یا مرد آشناؤں یا دوستوں کے ہاتھوں عورتوں پر ہونے والے تشدد کے ضمن میں رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "گھریلو تشدد یا قریبی ساتھیوں کی جانب سے ہونے والا تشدد انسانی حقوق کی ایسی خلاف ورزی ہے جو امریکہ کے طول و عرض میں وسیع پیمانے پر جاری ہے۔ 'نیشنل کرائم وکٹی مائزیشن سروے' کے مطابق ۲۰۰۸ء میں امریکہ میں عورتوں پر مرد ساتھیوں کی جانب سے تقریباً ۵۵۲۰۰۰ پُر تشدد جرائم کا ارتکاب کیا گیا۔ ان میں ۳۵۶۹۰ زنا

1 http://now.org/press/04-11/04-12.html
2 http://www.ohchr.org/en/NewsEvents/pages/DisplayNews.aspx? News ID=11479&LangID=E
3 http://www.ohchr.org/English/bodies/hrcouncil/docs/17session/A.HRC. 17.26. Add.5_AEV.pdf

بالجبر یا جنسی زیادتی کی وارداتیں، ۳۸۸۲۰ ڈکیتیاں، ۷۰۵۵۰ شدید طور پر زخمی کرنے والے حملے اور ۴۰۶۵۳۰ نسبتاً کم جسمانی نقصان پہنچانے والے حملے شامل ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ۲۰۰۸ء میں اوسطاً ہر روز ۵۰۰ عورتیں جنسی حملوں کا نشانہ بنیں۔ تشدد کے واقعات کی شرح عورتوں میں ۴ء۳ فی ہزار اور مردوں میں ۸ء۰ فی ہزار رہی۔ (پیراگراف:۸)

۲۰۰۷ء میں قتل ہونے والی عورتوں میں سے ۶۴ فیصد اپنے قریبی مرد دوستوں یا گھر کے کسی فرد کے ہاتھوں ماری گئیں۔ اُن میں سے ۲۴ فیصد واقعات کے مرتکب ان عورتوں کے موجودہ یا سابق شوہر ہوئے، ۲۱ فیصد واقعات بوائے فرینڈز یا گرل فرینڈز کے ہاتھوں پیش آئے جبکہ ۱۹ فیصد واقعات میں خاندان کا کوئی دوسرا فرد ملوث پایا گیا۔ اس سال قریبی دوستوں کے ہاتھوں قتل ہونے کی شرح ایک لاکھ عورتوں میں ۰۷ء۱ جبکہ ایک لاکھ مردوں میں ۴۷ء۰ رہی۔ (پیراگراف:۹)

رپورٹ میں وضاحت کی گئی ہے کہ یہ اعداد و شمار حقیقی صورت حال کی مکمل عکاسی نہیں کرتے کیونکہ قریبی ساتھیوں کی جانب سے ہونے والے تشدد اور جنسی زیادتی کی وارداتیں خوف و ہراس اور دیگر وجوہ کی بنا پر بہت ہی کم رپورٹ کی جاتی ہیں۔ رپورٹ کے مطابق ۱۹۹۲ء سے ۲۰۰۰ء تک زنا بالجبر کے صرف ۳۶ فیصد، جنسی زیادتی کی کوشش کے ۳۴ فیصد اور جنسی حملوں کے ۲۶ فیصد واقعات پولیس کو رپورٹ کیے گئے۔ (پیراگراف:۱۷)

جیلوں میں بدسلوکی

امریکی جیلوں میں عورتوں سے بدسلوکی کی تفصیلات، اقوامِ متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کی خصوصی نمائندہ کی چشم کشا رپورٹ کے کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ حکومت کی جانب سے بہتری کی کوششوں کے باوجود اب تک امریکی جیلوں میں قید عورتیں ہر قسم کی زیادتیوں کا نشانہ بن رہی ہیں۔ ان تفصیلات کا خلاصہ بھی بہت جگہ چاہتا ہے، اسلئے محض چند اقتباسات پر اکتفا کر رہے ہیں جن سے مجموعی صورت حال کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ رپورٹ میں اگرچہ تقریباً پچھلے ڈیڑھ عشرے کے حالات کا جائزہ پیش کیا گیا ہے لیکن ہم حالیہ چند برسوں کی کیفیت کے حوالے سے رپورٹ کے مندرجات نقل کر رہے ہیں، ملاحظہ فرمایئے:

"جہاں تک جیلوں میں عورتوں کے ساتھ جنسی بدسلوکی کا تعلق ہے، تو ۲۰۰۸-۲۰۰۹ء کی ایک رپورٹ نشاندہی کرتی ہے کہ بارہ مہینوں کی مدت میں امریکی جیلوں میں 4.7 فیصد عورتوں کو اپنے مرد قیدی ساتھیوں اور 2.1 فیصد کو جیل کے عملے کے ارکان کے ہاتھوں مختلف نوعیت کی جنسی بدسلوکی، زیادتی، خوف وہراس اور جنسی حملوں کا تجربہ ہوا۔ انسپکٹر جنرل کے دفتر سے جاری ہونے والی ۲۰۰۹ء کی ایک رپورٹ سے پتہ چلتا ہے کہ جیل کے عملے کے مرد ارکان اکثر قیدی عورتوں کی جامہ تلاشی کے دوران جنسی چھیڑ چھاڑ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ عملے کے یہ ارکان اپنے اختیارات اور طاقت کے بل پر قیدی عورتوں کو زبردستی جنسی تعلق پر مجبور کرتے ہیں۔"

"قیدی عورتوں کے جیل کے ساتھیوں سے انٹرویوز سے پتہ چلا کہ قیدی عورتیں بعض اوقات ٹیلیفون تک رسائی، کھانے پینے کی اشیا اور صابن اور شیمپو جیسی چیزوں کے حصول تک کے لیے جنسی زیادتی قبول کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ اس کے نتیجے میں اُن میں سے بہت سی پوری زندگی کے لئے ذہنی انتشار، بے چینی اور ڈپریشن جیسے نفسیاتی امراض میں مبتلا ہو جاتی ہیں، حتیٰ کہ ان تلخ اور ذلت آمیز واقعات کو بھلا نہ پانے کی بنا پر اُن میں سے بہت سی عورتیں خودکشی تک کر گزرتی ہیں۔ (پیراگراف: ۴۲ء۴۳)[1]

فوج میں جنسی زیادتی روز کا معمول

درج بالا سرخی کے تحت رپورٹ میں کہا گیا ہے: "فوج کے اندر عورتوں پر جنسی حملے اور اُنہیں خوف زدہ کرنے کو عورتوں کے خلاف تشدد کی ایک وسیع قسم کے طور پر امریکہ میں بلا تامل تسلیم کیا جاتا ہے۔ وکلا بتلاتے ہیں کہ عورتیں جب فوج کی ملازمت اختیار کرتی ہیں تو وہ نہ صرف جنگ وجدل کے حوالے سے جسمانی خطرات مول لیتی ہیں بلکہ اپنے ساتھیوں کی جانب سے جنسی حملوں کے خطرے کا سامنا بھی کرتی ہیں۔ جنسی حملوں کا سامنا اگرچہ مردوں اور عورتوں دونوں کو کرنا پڑتا ہے، تاہم دستیاب اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ نشانہ بننے والوں میں

1 http://nowfoundation.org/issues/violence/Oct2011SRVAW webinar.html.

بھاری اکثریت جونیئر رینکس کی ۲۵ سال سے کم عمر عورتوں کی ہوتی ہے۔(پیراگراف:۲۲)

صورت حال کی سنگینی کا اندازہ رپورٹ میں کیے گئے اس انکشاف سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی فوج میں عورتوں کو درپیش ناگفتہ بہ صورت حال پر دو سابق وزرائے دفاع کے خلاف اجتماعی مقدمات بھی دائر کیے گئے ہیں۔اس حوالے سے رپورٹ میں کہا گیا ہے:

"سابق وزرائے دفاع ڈونلڈ رمز فیلڈ اور رابرٹ گیٹس کے خلاف، آبروریزی اور جنسی حملوں کی شکایات پر کارروائی نہ کرنے، ان کی تحقیقات نہ کرنے، مجرموں کو سزا دینے میں ناکام رہنے اور انصاف کی فراہمی کے نظام کو کمزور رکھنے پر متاثرین کی جانب سے اجتماعی مقدمے کے بارے میں بھی خصوصی نمائندے کو بتایا گیا۔مقدمے میں یہ دعویٰ بھی کیا گیا ہے کہ عصمت دری اور جنسی حملوں کا نشانہ بننے والوں کے خلاف کھلم کھلا خوف زدہ کرنے اور نقصان پہنچانے کی کارروائیاں کی گئیں، جرائم کی شکایت درج کرانے کے معاملے میں ان کی حوصلہ شکنی کی گئی، نیز انہیں اپنی زبان بند رکھنے اور جو زیادتی اُن کے ساتھ ہوئی، اسے کسی کو نہ بتانے کا حکم دیا گیا۔" (پیراگراف:۲۳)

امریکہ میں عورتوں کے خلاف تشدد خصوصاً جنسی زیادتی اور جرائم پر مبنی اقوام متحدہ کی نمائندہ خصوصی کی اس رپورٹ کے اگلے پیراگراف میں اس حقیقت کی نشان دہی کی گئی ہے کہ فوج میں ہونے والے اس نوعیت کے جرائم عام طور پر ریکارڈ پر نہیں آتے کیونکہ متاثرین چپ رہنے ہی میں عافیت سمجھتے ہیں۔رپورٹ میں کہا گیا ہے:

"کیونکہ فوج میں جنسی حملوں کے بیشتر واقعات کی رپورٹ درج نہیں کرائی جاتی لہٰذا درست اعدادوشمار دستیاب نہیں ہیں۔ محکمہ دفاع کے مطابق، تازہ ترین بے نام سروے سے پتہ چلتا ہے کہ ایکٹو ڈیوٹی عورتوں میں سے 4.4 فیصد اور ایکٹو ڈیوٹی مردوں میں سے 0.9 فیصد نے اشارہ دیا کہ وہ سروے سے پہلے کے بارہ ماہ کے دوران جبری جنسی تعلق کے تجربے سے گزرے ہیں۔اُن میں سے صرف ۲۹ فیصد عورتوں اور ۱۴ فیصد مردوں نے بتایا کہ اُنہوں نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کی شکایت محکمہ دفاع یا کسی سول اتھارٹی سے کی ہے۔" (پیراگراف:۲۴)

فوج میں عورتوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات کی رپورٹنگ کے اس قدر کم ہونے کے اسباب بیان کرتے ہوئے اقوامِ متحدہ کی نمائندہ خصوصی کی اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ فوج کے تحکمانہ نظام کی وجہ سے زیادتی کا شکار ہونے والے شکایت کرنے کی صورت میں اپنی ملازمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ اگر زیادتی کے ذمہ دار، متاثرہ فرد کے افسران میں سے ہوں تو ان کے خلاف شکایت کرنا محال کو ممکن بنانے کی کوشش کے مترادف ہوتا ہے اور متاثرین اکثر محسوس کرتے ہیں کہ اُنہیں اپنی فوجی ملازمت یا انصاف میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا ہوگا۔ (پیراگراف:۲۷)

رپورٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ متاثرین کے وکلا نے بتایا کہ شکایت کرنے کی صورت میں متاثرین بااثر ملزمان کی جانب سے انتقامی کارروائی کا خوف رکھتے ہیں کیونکہ کمانڈر عام طور پر شکایت کرنے والوں کو ملزمان کے انتقامی اقدامات سے تحفظ مہیا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ (پیرا گراف:۲۸)

خاتون رکن کانگریس کی گواہی

سی این این کی ۳۱ جولائی ۲۰۰۸ء کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے:

"کانگریس کی ایک خاتون رکن کے بقول اُن کا منہ اس وقت کھلا کا کھلا رہ گیا جب سابق فوجیوں کے ایک اسپتال میں فوجی ڈاکٹروں نے اُنہیں بتایا کہ دس میں سے چار عورتوں نے شکایت کی ہے کہ فوجی ملازمت کے دوران اُنہیں جنسی حملوں کا نشانہ بنایا گیا۔ جبکہ ایک سرکاری رپورٹ کی رُو سے یہ تعداد اس سے زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔ ڈی کیلیفورنیا سے کانگریس کی رکن جین ہرمین نے یہ انکشاف کانگریس کے ایک پینل کے سامنے بیان دیتے ہوئے کیا جو یہ تحقیق کر رہا ہے کہ فوج میں جنسی زیادتیوں کے واقعات سے کس طرح نمٹا جاتا ہے۔ جین ہرمین نے بتایا کہ اُنہوں نے حال ہی میں لاس اینجلس میں سابق فوجیوں کے ایک اسپتال کا دورہ کیا، جہاں انہیں فوج میں عورتوں کی آبروریزی کی خوفناک کہانیاں سنائی گئیں۔"

جین ہرمین کے مطابق جنسی حملوں کا نشانہ بننے والی ان عورتوں میں سے ۲۹ فیصد نے انکشاف کیا کہ فوجی ملازمت کے دوران اُن کی عزت لوٹی گئی۔ ان عورتوں نے اپنے مستقل خوف، بے بسی کے احساس اور مسلسل ابتر ہوتی نفسیاتی کیفیت کے بارے میں بتایا جس میں وہ اسی وقت سے مبتلا ہیں جب اُنھیں اس ظلم کا ہدف بنایا گیا۔

جین ہرمین نے صورتِ حال کی سنگینی کو یوں واضح کیا:

> "ہماری فوج میں یہ چیز ایک وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہے۔ امریکی فوج میں ملازمت کرنے والی عورتیں آج عراق میں دشمن کی گولی سے مرنے سے کہیں زیادہ اپنے مرد ساتھیوں کے ہاتھوں آبروریزی کے خطرے سے دوچار ہیں۔"

امریکہ کانگریس کی اس خاتون رکن کے بقول ۲۰۰۷ء میں فوج کے اندر جنسی حملوں کے ۲۲۱۲ کیس رپورٹ ہوئے مگر ان میں سے صرف ۱۸۱ یعنی محض ۸ فیصد کورٹ مارشل کے لیے بھیجے گئے۔ جین ہرمین نے بتایا کہ اس کے مقابلے میں شہری معاشرے میں ایسے معاملات کے عدالتوں تک پہنچنے کی شرح ۴۰ فیصد ہے۔[1]

متاثرہ عورتیں زندہ در گور

امریکی فوج میں اپنے مرد ساتھیوں کی بہیمانہ ہوس کا نشانہ بننے والی ان عورتوں کی دادرسی کس حد تک ہوتی ہے اور اپنی بقیہ زندگی میں اُنھیں کن ذہنی، نفسیاتی اور سماجی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دستیاب واقعاتی حقائق سے اس کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ امریکی فوج میں عورتوں کے ساتھ جنسی زیادتی پر امریکی اخبار ڈینور پوسٹ(Denver Post) سے وابستہ ایمی ہرڈی(Amy Herdy) اور مائلز موفیٹ(Miles Moffeit) نے نوماہ کی تحقیق کے بعد ایک رپورٹ تیار کی جو اخبار کی ۱۶ تا ۱۸ نومبر ۲۰۰۳ء کی اشاعتوں میں بالاقساط شائع ہوئی۔ ۲۰۰۴ء میں اسے (Betrayal in the Ranks) کے عنوان سے مستقل دستاویز کے طور پر بھی شائع کر دیا گیا۔

1 http://edition.cnn.com/2008/US/07/31/military.sexabuse/index.html?cref=rss_topstoris

ڈینوپوسٹ کی اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امریکی فوج میں اپنے مرد ساتھیوں کی ہوس کا نشانہ بننے والی ان مظلوم عورتوں کی دادرسی کے بجائے عموماً انہیں خاموش رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اُن کے خلاف جنسی تشدد کے مرتکب مجرموں کو عام طور پر کسی باز پرس اور سزا کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ رپورٹ میں 'کولوریڈو ایئر فورس اکیڈمی' کے اسکینڈل کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ ۱۴۲ کیس رپورٹ ہونے کے باوجود ایک ملزم کو بھی سزا نہیں دی گئی۔

ان رپورٹروں نے ایسی مزید مثالیں دیتے ہوئے لاس ویگاس میں ۱۹۹۱ء میں ہونے والے نیوی ٹیل ہک کنونشن کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق اس موقع پر سو سے زائد افسروں نے درجنوں خاتون اہلکاروں کو جنسی طور پر ہراساں کیا مگر جب اس سلسلے میں نیوی کی طرف سے انکوائری ہوئی تو مجرم افسروں نے تحقیقاتی عمل کو بالکل سبوتاژ کر کے رکھ دیا اور ان میں سے ایک کو بھی سزا نہیں دی جا سکی۔

دیکھنے کی بات یہ ہے کہ امریکہ کا فوجی نظام یہ رعایت جن مجرموں کو دے رہا ہے، ان کے جرم کے اثرات و نتائج کیا ہیں اور جو عورتیں ان کی درندگی کا نشانہ بنتی ہیں، ان کی بقیہ زندگی کس طرح گزرتی ہیں۔ ڈینوپوسٹ نے اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے ایسی ۶۰ عورتوں سے بات چیت کی جنہوں نے انتقام کے خوف یا مجرموں کے خلاف کسی کارروائی سے مایوس ہونے کی بنا پر اپنے ساتھ ہونے والے ظلم کی کہیں رپورٹ درج نہیں کرائی تھی۔

اخبار لکھتا ہے کہ مجرمانہ حملوں کا نشانہ بننے والی درجنوں سابق فوجی خواتین اہلکاروں نے بتایا کہ اذیت کے اندرونی احساس کے سبب ان کے کیریئر تباہ ہو گئے۔ اُنہوں نے منشیات اور کثرت شراب نوشی میں پناہ ڈھونڈنے کی کوشش کی جس سے ان کی زندگیاں برباد ہو گئیں۔

ماریان ہڈ ایسی ہی ایک مظلوم سابق امریکی سپاہی ہے۔ اس نے اپنے کرب کا اظہار جن الفاظ میں کیا، وہ دل دہلا دینے والے ہیں، ان سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ امریکی فوج میں عورتوں کے ساتھ روا رکھا جانے والا شرمناک اور وحشیانہ سلوک کس طرح خود امریکہ کے خلاف نفرت کے فروغ کا سبب بن رہا ہے۔ سابق فوجی ہونے کے باوجود امریکی پرچم لہرانے سے انکار کرنے

والی ماریان ہڈ کہتی ہے:

"پہلے جب میں امریکی پرچم پر نظر ڈالتی تو یہ مجھے سرخ، سفید اور نیلا دکھائی دیتا تھا، مگر اب میں اس پر صرف خون کے رنگ دیکھتی ہوں۔ سرخ رنگ اس خون کی علامت ہے جو میرے بدن سے بہا۔ نیلا رنگ ان چوٹوں کی نمائندگی کرتا ہے جو میرے جسم نے سہیں۔ اور سفید رنگ میرے خوفزدہ چہرے کا ہے۔ میں اپنے ملک کے لئے ماری پیٹی گئی اور میری عزت لوٹی گئی۔ اسے کافی سمجھا جانا چاہیے۔"[1]

(۳) مغربی عورت کا حالِ زار: فطرت سے بغاوت کا نتیجہ!

مغربی تہذیب نے ماں، باپ اور شوہر و بیوی کی حیثیت سے عورت اور مرد کے فطری دائرہ کار، صنفی و جسمانی تقاضوں اور نفسیاتی و جذباتی مطالبات کے کھلے فرق کو نظر انداز کرکے زندگی کے ہر میدان میں عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ لا کھڑا کرنے کی جو غلطی کی تھی، مغرب کی عورت کو درپیش مسائل اور ذلت انگیز حالات، جن کا کچھ ذکر سطور بالا میں ہوا، فی الحقیقت اسی غلطی کا نتیجہ ہیں۔ مغربی عورت گھر اور بچوں کی دیکھ بھال کے ساتھ ساتھ مردوں کی طرح معاشی جدوجہد میں بھی جوت دی گئی ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں مردوں کے ساتھ کام ضرور کر رہی ہے لیکن عملاً وہ مردوں کا دل بہلانے کا کھلونا بن گئی ہے۔ اس طرزِ زندگی کے کئی عشروں کے تجربے نے مغربی عورت پر یہ حقیقت روشن کردی ہے کہ آزادی و مساوات کے نام پر یہ سودا اُسے بہت مہنگا پڑا ہے۔ لہٰذا آج مغربی عورت دوبارہ گھر کی پناہ گاہ میں واپس جانے کی آرزو مند ہے۔

مغربی عورتوں میں اسلام کی حیرت انگیز مقبولیت کا ایک بڑا سبب یہی ہے کہ اسلامی تعلیمات عورت کو گھر کا مرکز بناتی ہیں اور معاشی جدوجہد میں شرکت کی کوئی ذمہ داری اس پر عائد کیے بغیر محبت، عزت اور احترام کا وہ مقام دیتی ہیں، جس کا کوئی تصور مغربی معاشرے میں نہیں پایا جاتا۔ مسلمان ہونے والی مغربی خواتین اپنے قبولِ اسلام کے اسباب میں اسلام کے ان اوصاف

1 http://extras.denverpost.com/justice/tdp_betrayal.pdf

کا عموماً بطور خاص ذکر کرتی ہیں۔ تاہم ذیل میں اس حوالے سے کئی ہزار برطانوی عورتوں کی ایک کھلی گواہی پیش کی جارہی ہے جو ہر معقول شخص کیلئے سوچ بچار کا بڑا سامان رکھتی ہے۔

۹۴ فیصد برطانوی عورتیں 'سپر وومین رول ماڈل' سے بیزار

برطانیہ کی خواتین بیک وقت گھریلو ذمہ داریوں اور ملازمت کی ذمہ داریوں کو بھاری بوجھ محسوس کرتی ہیں۔ خواتین کے بہت سے میگزین اکثر ایسی آرا اور معلومات پیش کرتے رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر ٹاپ سانتے(Top Sante) نامی برطانوی میگزین کے ایک سروے کے مطابق، جس کی تفصیلات ہم نے برطانوی اخبار 'ڈیلی میل' میں شائع ہونے والی رپورٹ سے لی ہیں، برطانیہ کی ۹۴ فیصد ملازمت پیشہ خواتین کا کہنا ہے کہ وہ زوجیت، مادریت اور ملازمت کے تقاضے بیک وقت پورے کرتے کرتے بے دم ہو چکی ہیں اور اس سپر وومن رول ماڈل سے نجات کی آرزومند ہیں۔

میگزین کی ایڈیٹر جولیٹ کیلو(Juliet Kellow) جنہوں نے برطانیہ، اسکاٹ لینڈ، ویلز اور شمالی آئرلینڈ کی پانچ ہزار ملازمت پیشہ عورتوں کے انٹرویو کا اہتمام کرکے یہ جائزہ پیش کیا ہے، کہتی ہیں "It is time for super woman to put back in her box." یعنی وقت آگیا ہے کہ سپر وومن واپس اپنے گھر کا رُخ کرے اور اپنی اصل ذمہ داریاں نبھائے۔

سروے میں کہا گیا ہے کہ سپر وومن کا یہ رول ماڈل ان عام عورتوں کے لیے قطعی سازگار نہیں جن کے پاس گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹانے کے لیے بچے کھلانے والی اناؤں، صفائی ستھرائی کرنے والی خادماؤں، پرسنل سیکرٹریوں اور ہیر ڈریسروں وغیرہ کی فوج نہیں ہے۔ سروے کے مطابق ہر دس میں سے آٹھ ملازمت پیشہ عورتوں کا خیال ہے کہ ماں اور باپ دونوں کی کل وقتی ملازمت خاندانوں کے ٹوٹنے کا ایک بڑا سبب ہے۔ سروے میں بتایا گیا ہے کہ ملازمت پیشہ عورتوں کے تعلقات اپنے شریکِ حیات کے ساتھ تلخ ہو جاتے ہیں کیونکہ بیشتر عورتیں سمجھتی ہیں کہ مرد اپنا بوجھ اتنا نہیں اُٹھاتے جتنا اُٹھا سکتے ہیں۔ یہ خیال ۸۴ فیصد عورتوں نے ظاہر کیا ہے۔ اس کے باوجود ایک تہائی عورتوں کے لیے اپنی ملازمت چھوڑ کر اپنے آپ کو گھر کے لیے

وقف کر دینا ممکن نہیں کیونکہ وہ اپنے شوہروں یا مرد پارٹنروں کی نسبت زیادہ کماتی ہیں۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ برطانیہ میں بھی، جو موجودہ مغربی تہذیب کا امامِ اوّل ہے اور جس نے پوری مغربی دنیا کو اس راہ پر لگایا ہے، مساواتِ مرد وزن کے تمام دعووں کے باوجود سروے کے مطابق اب تک عورتیں ہی گھر اور خاندان کے اُمور کے لیے بنیادی طور پر جواب دہ اور ذمہ دار ہیں حالانکہ وہ مردوں ہی کی طرح اپنا پورا دن ملازمت کی مصروفیت میں گزار کر تھکی ہاری گھر پہنچتی ہیں۔ لہٰذا ان سہ طرفہ مستقل اور سخت ذمہ داریوں کی مسلسل ادائیگی نے انہیں زمین سے لگا دیا ہے۔ جولیٹ کیلو کا کہنا ہے کہ ایک کل وقتی گھریلو خادمہ، ملازمت پیشہ عورتوں کی اکثریت کیلئے دیومالائی خواب ہے۔ بہتر معاوضے والی جزوقتی ملازمتیں ان گھر بار والی عام ملازمت پیشہ عورتوں کے مسئلے کا ایک حد تک حل ہوسکتی ہیں لیکن یہ انتہائی کمیاب ہیں اور ان کا حصول نہایت دشوار ہے۔ سروے کے مطابق ۵۷ فیصد برطانوی کمپنیاں اب تک اپنے ہاں ملازمت کرنے والی عورتوں کو ماں بن جانے کی صورت میں کوئی رعایت اور کوئی الاؤنس نہیں دیتی ہیں خواہ ملازمت جاری نہ رکھ پانے کی وجہ سے کمپنیوں کو ان کے تجربے اور صلاحیتوں سے محروم ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔

سروے میں بتایا گیا ہے کہ گھر اور بچوں کی ذمہ داری کے ساتھ ساتھ ملازمت کی مشقت عورتوں کی صحت کو بُری طرح متاثر کر رہی ہے۔ ذہنی اور جسمانی طور پر تازہ دم ہو کر صحت مند رہنے کے لئے کم سے کم ناگزیر وقت بھی ان عورتوں کے پاس نہیں ہوتا۔ ان غریب عورتوں کا طرزِ زندگی پریشر ککر جیسا بن کر رہ گیا ہے۔ وہ اپنی مختلف النوع ذمہ داریوں کی بنا پر مسلسل دباؤ میں رہتی ہیں اور اُنہیں ایک کام سے دوسرے کام کی طرف دوڑتے رہنا پڑتا ہے چنانچہ اُن کے رویے میں جارحیت بڑھتی چلی جارہی ہے۔ سروے میں ملازمت پیشہ عورتوں کی عمومی صورت حال سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ اگر مالی مجبوریاں نہ ہوں تو برطانیہ کی ۴۸ فیصد ملازمت پیشہ عورتیں صرف آرام کرنا پسند کریں گی۔ ۳۲ فیصد گھر داری اختیار کرنے کا فیصلہ کریں گی اور صرف ۲۰ فیصد ملازمت جاری رکھنے کو ترجیح دیں گی۔[1]

1 http://www.dailymail.co.uk/news/article-123003/Sick-Superwoman.html

سستی لیبر کے لیے سرمایہ داری کی چال

مغرب میں عورت کا یہ حالِ زار دراصل سرمایہ دارانہ نظام کی عورت کے خلاف خوفناک سازش کا نتیجہ ہے جسے آزادیٔ نسواں کا دلکش اور پُرفریب نام دیا گیا۔ اب یہ کوئی راز نہیں کہ آزادیٔ نسواں اور مساواتِ مرد وزن کی تحریکوں کے نام پر عورت کو گھر داری اور نئی نسل کی پرورش اور تربیت کے فطری فریضے کی ادائیگی کے لیے فارغ رکھے جانے سے دراصل روکا ہی اس لئے گیا تھا تاکہ اسے گھر سے باہر لاکر سرمایہ داری نظام کی ضرورت کے مطابق کارخانوں اور دفاتر کے لئے سستی لیبر فراہم کی جاسکے اور عشروں سے ان معاشروں میں عورت کا عملی کردار یہی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ فطرت سے بغاوت کے کبھی مثبت نتائج برآمد نہیں ہوتے چنانچہ مغرب، خاندانی نظام کے تقریباً مکمل خاتمے کی صورت میں آج فطرت کے خلاف کی گئی اس بغاوت کے انجام سے دوچار ہے جس پر چیخ پکار تو سنائی دیتی رہتی ہے مگر اب اس گاڑی کو ریورس گیئر لگانا بہت مشکل ہے۔

عورت کی معاشی جدوجہد، خوشحالی کا ذریعہ؟

ایک عام تصور یہ ہے کہ عورت کو چوکوں اور بازاروں میں کھینچ لانے سے مغرب کا خاندانی نظام اور گھریلو سکون چاہے کتنا ہی برباد ہو گیا ہو مگر کم از کم معاشی طور پر عام آدمی بھی بہت خوشحال ہو گیا ہے، لیکن یہ بھی بس ایک خیال خام ہی ہے۔ امریکہ کی وَرمونٹ یونیورسٹی کے پروفیسر ہک گٹ مین (Huck Gutman) امریکہ میں معاشی عدم مساوات کے موضوع پر اپنے ایک مقالے میں جو پاکستان کے ممتاز انگریزی اخبار 'ڈان' میں بھی یکم جولائی ۲۰۰۲ء کو شائع ہوا، لکھتے ہیں:

> "اگرچہ لگتا ہے کہ امریکہ کے لوگ ناقابل تصور امارت سے لطف اندوز ہو رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیشتر امریکیوں کو پیٹ بھر کھانا بھی نہیں ملتا اور ایک قابل لحاظ تعداد بھوکی رہ جاتی ہے۔" وہ کہتے ہیں کہ "گزشتہ صدی کی آخری چوتھائی جس میں امریکی کارپوریشنوں نے پوری دنیا میں اپنی طاقت اور اثر ورسوخ بڑھا کر بھاری

منافع کمایا، اس پوری مدت میں امریکی محنت کش کو کوئی اضافی فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ امریکی کارکنوں کی اُجرتیں ۱۹۷۸ء سے ایک ہی سطح پر برقرار ہیں یا گھٹ رہی ہیں۔"

اُس کے مقابلے میں اعلیٰ افسران کے معاوضے بڑھتے چلے گئے اور اس تحقیق کے مطابق آج کیفیت یہ ہے کہ ان کی آمدنی ایک عام کارکن سے سات سو گنا تک زیادہ ہے۔ پروفیسر گٹ مین نے اسے زیادہ آسان پیرائے میں اس طرح بیان کیا ہے کہ ایک چیف ایگزیکٹیو آفیسر آدھے دن میں اتنا کمالیتا ہے جو ایک مزدور سال بھر میں بھی مشکل سے کما پاتا ہے۔

اُن کا کہنا ہے کہ امریکہ کے ایک فی صد امیر ترین لوگ، نیچے کے ۹۵ فی صد لوگوں سے زیادہ وسائل کے مالک ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ

"اس بات پر یقین کرنا ان لوگوں کے لیے مشکل ہوگا جو ٹی وی پروگراموں میں امریکیوں کو اسپورٹس گاڑیاں چلاتے اور سجے سجائے گھروں میں بسا دیکھتے ہیں لیکن معاشی حقیقت یہ ہے کہ امریکی خاندانوں کے معیارِ زندگی میں جو اضافہ بھی ہوا ہے، وہ تقریباً سب کا سب عورتوں کے بڑے پیمانے پر ورک فورس میں شامل ہونے کا نتیجہ ہے، اور گھریلو اخراجات جو پہلے ایک کمانے والے کی آمدنی سے پورے ہو جاتے تھے، اب اُن کے پورے ہونے کا دار و مدار دو افراد کی آمدنی پر ہے۔ بچوں کی دیکھ بھال، گھر کا انتظام، کھانا پکانا، یہ چیزیں اب روز مرہ کام کا حصّہ نہیں بلکہ اضافی بوجھ ہیں۔"[1]

واضح رہے کہ امریکہ سمیت پوری مغربی دنیا بے انصافی پر مبنی نظام سرمایہ داری کے سبب گزشتہ کئی برس سے جس معاشی بحران کا شکار ہے، اس کی وجہ سے عام آدمی کے حالات مزید ابتر ہوئے ہیں اور امیر و غریب کے درمیان بڑھتے ہوئے تفاوت کے باعث پوری مغربی دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف عوامی احتجاج کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ عورت کا استحصال اس نظام کا ایک بنیادی وصف ہے۔ زوجیت، مادریت اور خانہ داری کے تقاضوں کی تکمیل کے ساتھ ساتھ مردوں کی طرح معاشی جدوجہد بھی اس کی مجبوری بنادی گئی ہے جبکہ اسلام میں مردوں اور عورتوں کے دائرہ کار واضح طور پر الگ الگ ہیں۔ اور اسلام نے زندگی کے کسی مرحلہ پر، اور کسی

1 http://www.commondreams.org/views02/0701-05.htm

بھی حیثیت سے ، عورت کو اپنی مالی کفالت کا ذمہ دار نہیں بنایا، بلکہ یہ فرض اس کے قریبی مردوں کے سپرد کیا ہے، اسلام کے طبقہ نسواں پر اس سے بڑا کیا احسان ہو سکتا ہے!!

اسلامی نظام میں عورت کو گھر کی پناہ گاہ سے باہر آنے پر مجبور کیے بغیر تمام حقوق حاصل ہوتے ہیں اور اس کی مکمل کفالت اور تمام ضروریات کی تکمیل مرد کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مسلم دنیا میں خاندان کا ادارہ اسی بنا پر آج بھی مستحکم ہے اور مسلمان معاشروں میں عورتیں بالعموم ان مسائل سے دوچار نہیں ہیں جن سے مغرب کی عورت کو شب و روز سابقہ درپیش ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مغرب کی عورت اس سپر وومن رول ماڈل سے بیزار ہو چکی ہے جس کا جھانسا دے کر اسے اپنے گھر کی جنت سے نکال کر کارگاہوں اور بازاروں کی زینت بنایا گیا ہے اور پانچ ہزار عورتوں سے انٹرویو کے بعد ان کی بھاری اکثریت کی آرا کی روشنی میں ٹاپ سانتے کی ایڈیٹر کو کہنا پڑا ہے کہ

Working women are heartily sick of these do it all role models. It is time for superwoman to be put back in her box.

"ملازمت پیشہ عورتیں ہر چیز کی ذمہ داری والے اس طرزِ زندگی سے شدید طور پر بیزار ہو چکی ہیں، وقت آگیا ہے کہ سپر وومن اپنے گھر واپسی کی راہ لے۔"[1]

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ خدائی ہدایات سے بے نیاز ہو کر اور فطرت کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے مغربی تہذیب نے عورت کو مرد بنانے کی جو احمقانہ کوشش کی، اس کے نتیجے میں وہ نہ پوری طرح مرد بن سکی، نہ پوری عورت رہ سکی۔ اس بنا پر آج وہ شدید مسائل کا شکار اور اس صورت حال سے چھٹکارے کی آرزومند ہے۔ یہی کیفیت اسلام کی جانب مغربی خواتین کے رجوع کا ایک بنیادی سبب ہے جس کے شواہد آئے روز ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں۔

[IPS، اسلام آباد سے حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب 'عورت، مغرب اور اسلام' کا ایک اہم باب]

1 http://www.dailymail.co.uk/news/article-123003/Sick-Superwoman.html

ندا اشرف

حضرت لقمان علیہ السلام کی نوجوانوں کو نصیحتیں

نوجوان آج کے باغ وبہار اور مستقبل کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ نوجوان ایسی نسل ہے جس کی ہر دور میں قدر وقیمت رہی ہے۔ ان کی تعلیمی یا تربیتی عمل میں کہیں ذراسی بھی کمی واقع ہو تو معاشرہ اضطراب کی کیفیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ آج کا معاشرہ بھی کچھ اسی طرح کی صورتحال میں اُلجھا ہوا ہے۔ جرائم کی اکثریت، معاشرتی بگاڑ، لادینیت کی اندھی تقلید، بدامنی، قتل وفساد اور ہر طرف بے سکونی کی فضا چھائی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ان مسلمان نوجوانوں کی گمراہی اور بے راہ روی کی بنیادی وجہ دینِ اسلام سے دوری ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کو روندتے ہوئے یہ نوجوان آج خود کو دنیا کی تیز رفتار ترقی اور اس جہانِ فانی میں کامیابی کے حصول کے خواہش مند دکھائی دیتے ہیں مگر درحقیقت یہ نوجوان طبقہ گمراہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ یہ صورتحال مزید سنگینی اختیار کرتی جارہی ہے۔ غیر اسلامی رسومات، ذرائع ابلاغ کا بڑھتا ہوا منفی رجحان اور دشمنانِ دین کے اوچھے ہتھکنڈوں نے اُمتِ مسلمہ کے ان نوجوان طبقہ کے فکر وسوچ کو بڑی حد تک متاثر کیا ہے اور یوں یہ طبقہ گمراہی میں زیادہ مبتلا نظر آتا ہے۔

اسلام جو ہمہ گیر مذہب ہے، انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لیے اُصول مرتب کرتا ہے۔ اسلام نے بچوں کی تعلیم وتربیت، فطرتِ سلیمہ کی تبدیلی اور امن سے انحراف کا پہلا ذمہ دار ماں باپ کو قرار دیا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ»[1]

"ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنالیتے ہیں۔"

1 صحیح بخاری: ۱۳۸۵

جوانی ایک نعمت ہے، جس کی قدر کرنا اور صحیح رخ پر ڈالنا بہت ضروری ہے۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ دینِ حق کی دعوت میں نوجوانوں کا بڑا کردار رہا ہے۔ قرآن مجید میں اصحابِ کہف کا تذکرہ موجود ہے۔ جن کے دلوں نے ایمان کی دولت پاتے ہی ہر طرح کے ناز و نعم کو چھوڑ کر صحرا و بیاباں اور پہاڑوں کا رخ کیا۔ حکومتِ وقت کی ریشہ دوانیوں سے بچنے اور اپنے ایمان کی دولت کو محفوظ کرنے کے لیے ہجرت کا راستہ اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں ان نوجوانوں کی ان الفاظ میں تعریف بیان فرمائی: ﴿ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴾[1]

"ہم آپ پر اُن کا قصہ برحق بیان کرتے ہیں کہ یہ چند نوجوان اپنے رب پر ایمان لائے تھے، اور ہم نے اُنھیں ہدایت میں ترقی دی تھی۔"

نوجوانی میں کسی کام کو کرنے کا جذبہ، ولولہ، کسی معاملے کو عروج تک پہنچانے کی جراءت اور کسی حادثے سے مقابلہ کرنے کی عظیم قوت پائی جاتی ہے۔ علم النفس کے ماہرین کا کہنا ہے کہ نوجوانی کا یہ عرصہ اس قدر نازک ہوتا ہے کہ اسے جو راہ مل جائے، وہ اسے اپنا لیتا ہے۔ قرآن مجید کی ایک لمبی چوڑی سورت (سورۃ یوسف) ایک صالح نوجوان کی عصمت و عفت اور ہمت و جرات کی مثال قائم کرتی ہے جس نے پاکیزگی و عفت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور پاک دامنی کا راستہ ہی اختیار کیا۔ نوجوانی کے اس سنہرے دور کی قدر و قیمت نبی کریم ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہو جاتی ہے۔ عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

«اِغْتَنِمْ خمساً قَبْلَ خمسٍ، شَبَابَكَ قَبْلَ هَرَمِكَ وَ صِحَّتَكَ قَبْلَ سُقمِكَ وَ غِنَاكَ قَبْلَ فَقْرِكَ وَ فَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ وَ حَيٰوتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ»[2]

"پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت شمار کرو! اپنی جوانی کو اپنے بڑھاپے سے پہلے، اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے، اپنی مالداری کو اپنی تنگدستی سے پہلے، اپنی فراغت کو اپنی مشغولیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے۔"

---

۱ سورۃ الکہف: ۱۳
۲ المستدرک للحاکم: ۴/۳۰۶، ۷۸۴۶

بے حسی اور غفلت میں گھرے اِن نوجوانوں کو گمراہی کی دلدل سے نکالنا بے حد ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی کتاب قرآنِ مجید میں صراط مستقیم پر چلنے کی راہ دکھائی۔ جن میں قرآن مجید نے حضرت لقمان علیہ السلام کی ان نصیحتوں کو نقل کیا، جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔ انھوں نے اپنی نصیحت کا آغاز توحید سے کیا اور اسے چند اخلاقی امور پر ختم کیا ہے، جن کو سات بنیادی نکات سے واضح کیا جاسکتا ہے:

ا۔ توحید کی تعلیم

اسلام کی سب سے پہلی اور اہم ترین تعلیم 'توحید' ہے۔ یہی چیز مسلم اور مشرک کے مابین تفریق قائم کرتی ہے۔ اس کا انکار کرنے والا مشرک بن جاتا ہے، جس کے لیے دنیا و آخرت میں ذلت و رسوائی ہے۔ اس لیے حضرت لقمان علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے نوجوان بیٹے کو شرک سے روکا۔ کیونکہ شرک سے ایک خدا کی طرف بغاوت اور اس کی ہستی کا انکار لازم آتا ہے اور دوسری طرف شرک کرنے والا خود اپنی پیشانی اپنے جیسے یا اپنی سے کمتر مخلوقات کے سامنے جھکا کر ذلیل و خوار کرتا ہے: ﴿ وَاِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾[1]

"اے میرے پیارے بیٹے! اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا، بے شک شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔"

نوجوانِ دین کے لیے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا یہ بیان نہایت سبق آموز ہے:

"توحید سب سے بڑا علم ہے۔ تم جس قدر تحقیق اور جستجو کرو گے، تم کو یہی معلوم ہوگا کہ یہی علم کا سرا بھی ہے اور علم کی آخری حد بھی۔ طبعیات، کیمیا، ہیئت، ریاضیات، حیاتیات، حیوانات اور انسانیت غرض کائنات کی حقیقتوں کا کھوج لگانے والے جتنے بھی علوم ہیں، ان میں سے خواہ کوئی علم لے لو، اس کی تحقیق میں تم جس قدر آگے بڑھتے جاؤ گے، لا إلٰه إلّا الله کی صداقت تم پر زیادہ کھلتی جائے گی اور اس پر تمہارا یقین

---

1 سورۃ لقمان: ۱۳

بڑھتا جائے گا۔"

اُمتِ مسلمہ کے یہ جوان اللہ کی حقیقت اور اس کی گہرائی سے واقف ہی نہیں۔ اس لیے آج بیشتر نوجوان پیروں فقیروں کی در کی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ روحانی بابا اور ماہر نجوم کی پیروی کرتے ہیں۔ جادو منتر، عملیات اور ایسے دیگر ہتھکنڈوں کے ذریعے اپنے مسائل کے حل کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ مگر درحقیقت وہ اس کے باوجود فلاح حاصل نہیں کر رہے، کیونکہ اس کا سبب اللہ اس کی ذات و صفات اور یکتائی پر ان کے ایمان کی کمزوری ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس کمزوری کا بیان اس طرح ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُونَ ۝ لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُونَ ۝ ﴾[1]

"اور اُنھوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں، کہ شاید (ان سے) اُسکو مدد پہنچے، (مگر) وہ ان کی مدد کی طاقت ہرگز نہیں رکھتے، اور وہ ان کی فوج ہو کر ظاہر کیے جائیں گے۔"

مسلمان نوجوان عقیدہ توحید کو اپنے اندر راسخ اور جذب کرلیں اور قدم قدم پر اللہ کی نصرت وحمایت کے طلب گار بن کر اس کا عملی ثبوت دیں۔ فرمانِ مبارک ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَاۗءَ بِنَاۗءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾[2]

"اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو، جس نے تمہیں اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا، تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ، جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا، اور آسمان سے پانی برسا کر تمہارے کھانے کے لیے پھلوں کو نکالا پس تم اللہ کے لیے شریک نہ بناؤ اور تم جانتے ہو۔"

جدید دور کے نوجوان طبقے میں اس بنیادی امر اور حقیقت کو واضح کرنا بے حد ضروری ہے

1 سورۃ یٰسین: ۷۴، ۷۵

2 سورۃ البقرۃ: ۲۱، ۲۲

کہ مشکل کشا اور حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس ہے۔ ذہنی کشمکش اور مصائب کا شکار یہ نوجوان طبقہ بلند و بالا اور عظیم ہستی کو چھوڑ کر اپنے جیسی مخلوقات سے فریاد کر کے نہ صرف شرک کا مرتکب ہوتا ہے بلکہ رحمتِ الٰہی سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ شرک کی سنگینی اس آیت سے واضح ہو جاتی ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا۝۴۸ ﴾[1]

"یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے اور جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے، اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا۔"

لہٰذا نوجوانوں کو شروع سے ہی شرک سے اجتناب کی تعلیم دینا بے حد ضروری ہے۔

۲۔ اللہ کی ذات باریک بین اور خبیر ہے!

اُمتِ مسلمہ کے نوجوان طبقے کے علم میں ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر عمل سے واقف ہے۔ لہٰذا نوجوان کسی بھی حال میں اچھا یا برا عمل کرے، وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے دوسری نصیحت میں فرمایا:

﴿ يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ۝۱۶ ﴾[2]

"اے میرے پیارے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو، پھر وہ بھی خواہ کسی چٹان میں ہو یا آسمان میں ہو یا زمین میں ہو اسے اللہ تعالیٰ ضرور لائے گا، اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبیر ہے۔"

دل میں پیدا ہونے والے خیالات، نگاہوں کی حرکت، اعمال، حقائق، حال اور مستقبل تمام چیزوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہی ہے۔ مخلوقِ الٰہ اپنے ارد گرد چند چیزوں کے احوال سے

---

۱ سورۃ النساء:۴۸

۲ سورۃ لقمان:۱۶

ہی باخبر ہو سکتی ہے، مگر خدائے بزرگ و برتر کے اختیارات کی وسعت اور بڑائی روئے زمین کی تمام مخلوق اور کائنات کے ذرّے ذرّے پر محیط ہے۔ حتیٰ کہ پتھر میں پایا جانے والا کیڑا بھی اس کے علم سے اوجھل نہیں۔ جیسا کہ ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾[1]

"اللہ تعالیٰ سے ایک ذرے کے برابر کی چیز بھی پوشیدہ نہیں، نہ آسمانوں میں نہ زمین میں بلکہ اس سے بھی چھوٹی اور بڑی ہر چیز کھلی کتاب میں موجود ہے۔"

انسان کی زندگی ایک ایسی فائل کی طرح ہے، جس میں انسانی زندگی کے مرحلہ وار اُمور کا ریکارڈ محفوظ ہے۔ کوئی بھی عمل خواہ اچھا ہو یا برا، وہ لکھا جارہا ہے۔ یوں ایک دن اللہ کی عدالت میں فائل کھل جائے گی اور ہر طرح کے عمل کا حساب ہو گا۔ آج کے دور میں نوجوانوں کی سرگرمیاں، دین سے دوری، تخلیقِ انسان کے مقصد سے لاپرواہی، اسلامی عقائد و نظریات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے کیمونسٹ ملحد معاشروں کی اندھی تقلید کے اسباب میں دراصل اُخروی انجام سے لاپرواہی برتنا ہے۔ کیونکہ دل میں اِس خوف کی موجودگی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ہر عمل دیکھ رہا ہے، اللہ کی رضا کے حصول کی جانب کشش کو بڑھاتا ہے اور گناہوں سے بے رغبتی پیدا کرتا ہے۔ اُمت مسلمہ کے نوجوانوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیئے کہ زندگی سے لے کر موت تک، تنہائی سے ہجوم تک اور زندگی کے تمام معاملات کا کامل علم اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۝﴾[2]

"ہم نے ہر ایک چیز کو لکھ کر شمار کر رکھا ہے۔"

مغربی دنیا کے زیرِ اثر حالات نے جس قدر تیزی سے کروٹ بدلی، اس سے نوجوانوں کے ظاہر و باطن بری طرح متاثر ہوئے، اور یوں ان کی ذہنی، تعلیمی، فکری، اور اصلاحی کارکردگی مفلوج ہو کر رہ گئی۔ اب یہ وقت مثبت رجحانات کی تعمیر اور مفید رویوں کی تشکیل کا ہے تاکہ

1 سورۃ سبا:۳

2 سورۃ النبا:۲۹

اُمت مسلمہ کے یہ نوجوان عمل خیر کے راستے کی طرف گامزن ہوں جب انسان نیکی یا بدی کے لیے سفر کرتا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتا ہے تو قدموں کے نشانات بھی لکھے جاتے ہیں جیسے کہ عہد رسالت میں مسجد نبوی کے قریب کچھ جگہ خالی تھی تو بنو سلمہ نے ادھر منتقل ہونے کا ارادہ کیا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم یہ بات آئی تو آپ نے انھیں مسجد کے قریب منتقل ہونے سے روک دیا اور فرمایا:

«يَا بَنِي سَلِمَةَ! دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ»[1]

"تمہارے گھر اگرچہ دور ہیں، وہیں رہو جتنے قدم تم چل کر آتے ہو وہ لکھے جاتے ہیں"

سورۃ یٰس میں اس کو اس طرح سے بیان فرمایا: ﴿إِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ ۚ وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾[2]

"بے شک ہم مردوں کو زندہ کریں گے، اور ہم لکھتے جاتے ہیں وہ اعمال بھی جن کو لوگ آگے بھیجتے ہیں، اور اُن کے وہ اعمال بھی جن کو پیچھے چھوڑ جاتے ہیں، اور ہم نے ہر چیز کو ایک واضح کتاب میں ضبط کر رکھا ہے۔"

اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنے اعمالوں کے دفاتر میں کیا درج کر رہا ہے۔

۳۔ نماز قائم کرنا

نماز ایک نوجوان کی زندگی کو صحیح رخ پر ڈالنے کے لیے بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اس لیے اس کو بچپن سے ہی نماز کا خوگر بنانا چاہیئے۔ کیونکہ نماز بندے کے اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے پیارے بیٹے کو اقامتِ صلاۃ کی تلقین کی: ﴿يَا بُنَيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ﴾[3]

"اے میرے پیارے بیٹے! نماز قائم کرو۔"

توحید کے اقرار کے بعد عبادت کا درجہ آتا ہے۔ نماز دینِ اسلام کا دوسرا رکن ہے اور قرآنِ

۱ صحیح مسلم: ۱۵۱۹

۲ سورۃ یٰس: ۱۲

۳ سورۃ لقمان: ۱۷

کریم میں متعدد مقامات پر نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نماز نہ صرف فرائض کا حصہ ہے بلکہ موجودہ حالات میں بھٹکے ہوئے نوجوانوں کے مسائل، تناؤ، ڈیپریشن، شدت پسندی، غم و غصہ اور اشتعال انگیزی سے نجات کا حل بھی ہے۔ کیونکہ اس میں سکون ہے، جس کی آج کی نوجوان نسل کو بہت زیادہ ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سکون کا ماخذ اپنی ذات کو قرار دیا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ ﴾ "یعنی میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔"

ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝ ﴾

"اللہ کی یاد ہی اطمینانِ قلب کا باعث ہے۔"

نماز کے ایک معنی قریب ہونے کے ہیں۔ گویا نماز پنجگانہ ادا کرنے والا اللہ سے قریب ہوتا ہے۔ ایک حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ»[1]

"اللہ تعالیٰ سات قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ دے گا۔ ان میں سے ایک وہ نوجوان ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں پرورش پائی ہو۔"

نوجوانی کے قیمتی دور میں وقت سے بڑی کوئی دولت نہیں۔ نوجوانی کی نماز قربتِ الٰہی کا ذریعہ اور وقت کی پابندی پیدا کرتی ہے۔ جدید دور کی اکثریت نماز جیسی اہم عبادت اور فرض سے کنارہ کش ہے، اسی لیے ان کی زندگی منظم نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ﴾[2]

"اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو۔"

نوجوانوں میں چونکہ شدتِ جذبات کی وجہ سے زیادہ جلد برائیوں میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ نماز نوجوان مسلمان کو غیر اخلاقی سرگرمیوں اور بے راہ روی سے باز رکھتی ہے جیسے کہ قرآن میں اللہ کا فرمان ہے: ﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ﴾[3]

۱ صحیح بخاری: ۶۶۰
۲ سورۃ البقرۃ: ۱۵۳
۳ سورۃ العنکبوت: ۴۵

"نماز قائم کرو، کیونکہ یہ بے حیائی اور برے کام سے روکتی ہے۔"

موجودہ دور فتنوں کا دور ہے، جس میں ایک طرف اسلام مخالف سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا ہے اور دوسری طرف نفاذِ شریعت کو عمل میں لانا ہے۔ امت مسلمہ کے یہ نوجوان اپنے پختہ ارادوں سے اس عزم میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔ جب کہ وہ حقیقی رہنما اور رہبر اللہ تعالیٰ کو مان لیں اور اس کی عبادت بجالائیں۔

۴۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ

بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا اہل عزیمت کا کام ہے۔ وہی معاشرے ترقی کی منازل طے کرتے ہیں جن میں برائی اور بھلائی میں تفریق قائم رہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام کے نصائح میں اگلی نصیحت یہ تھی: ﴿وَأْمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾[1]

"اور بھلائی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو۔"

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ جہاں معاشرتی اصلاح کرتا ہے، وہاں انسان میں خود بھی بیداری کا احساس اُجاگر رکھتا ہے۔ مگر آج کے مسلمان نوجوان طبقے نے اس حکم کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ بلکہ مغربی ذہنیت کے زیرِ اثر اس امر کو Interference (دخل در معقولات) سمجھ لیا گیا ہے۔ Interference کی آڑ میں نوجوان اپنے اوپر لاگو فرائض سے بھی دستبردار ہو رہے ہیں۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کا فرمانِ مبارک بالکل واضح ہے:

«مَنْ رَأَى مِنكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»[2]

"جب تم کوئی برائی دیکھو تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دو، اگر ایسا نہ کر سکو تو زبان سے روک دو اور اگر یہ بھی نہ کر سکو تو دل میں برا جان لو اور یہ ایمان کا کم تر درجہ ہے۔"

جدید دنیا پر بے چینی اور اضطراب کے جو بادل چھائے ہوئے ہیں اور جس طرح برائیوں

---

۱ سورۃ لقمان:۱۷

۲ صحیح مسلم:۱۷۷

کے کشاکش سے یہ نوجوان مغلوب ہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ جس دنیا میں ہم رہ رہے ہیں، وہ کسی مقصد اور معنویت سے یکسر محروم ہو گئی۔ اسلام دیگر تمام مذاہب پر اسی وجہ سے فوقیت رکھتا ہے کہ وہ تمام لوگوں سے منصفانہ سلوک کرتا ہے۔ ظلم کے خلاف آواز اُٹھانا، برائی کو دیکھتے ہی اسے روکنا اور جو نصب العین مسلمان بھول چکے ہیں، اُنھیں اس نصب العین پر قائم رکھنا یہی ہمارے مذہب کی تعلیم ہے۔ افسوس کہ ہم اپنی سامنے مسلمانوں کا قتل عام دیکھ رہے ہیں، برما کے مسلمانوں سے لے کر فلسطین تک، کشمیر اور کراچی سمیت بے شمار لاشیں ہیں، مگر کہیں کوئی صدا نہیں اٹھتی کہ یہ روز کے معمولات کا حصہ بن چکا ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ کوئی بھلائی کا حکم نہیں دیتا اور برائی سے نہیں روکتا!! ایک حدیث میں آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلاَ يُسْتَجَابُ لَكُمْ»[1]

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم کرو اور ضرور برائی سے روکو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دے، پھر تم اس سے دعائیں کرو گے لیکن وہ قبول نہیں کی جائیں گی۔"

اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، مگر معاملات چاہے انفرادی ہوں یا اجتماعی، بدی اور استبداد کے آگے ڈٹ جانا ہی باہمت اور پرعزم نوجوانوں کی نشانی ہے۔ تاہم اس اختیار کو سونپنے میں ریاست بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ مزید یہ کہ اس سلسلے میں خود میں عملی نکھار امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا پہلا تقاضا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللهِ، لاَ يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، وَلاَ مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتَّى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ عَلَى ذَلِكَ»[2]

"اس اُمت میں ہمیشہ ایسے لوگوں کی جماعت موجود رہے گی، جو حق پر جمے رہیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید و نصرت حاصل کرنے والے اور حمایت یافتہ لوگ

1 جامع ترمذی: ۲۱۶۹
2 صحیح بخاری: ۳۶۴۱

ہوں گے۔ یہ برملا حق کا اظہار کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے والے اور برائی سے روکنے والے لوگ ہوں گے۔ ان کی مدد سے ہاتھ کھینچنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے اُنھیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔"

یہی جماعت 'الفرقۃ الناجیۃ' ہے یعنی کامیاب و کامران جماعت۔ نوجوانوں میں کامیابی و کامرانی کا تقاضا ہے کہ سچائی سے محبت کرکے اس جذبہ اور عمل کو اپنا کر دنیا کو کھوئے ہوئے امن وسلامتی سے ہم کنار کریں۔

۵۔ مصائب پر صبر

ایک نوجوان کو دین و دنیا کے اُمور کی انجام دہی کے وقت مصیبتوں اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اس لیے اقامتِ صلاۃ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فوراً بعد حضرت لقمان علیہ السلام اپنی نوجوان بیٹے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں:

﴿ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ [1]

"اور جو مصیبت تم پر آجائے صبر کرنا، بے شک یہ عزیمت کے کاموں میں سے ہے"

صبر مومن کا ہتھیار ہے۔ نوجوانی کی دہلیز کو چھوتے ہی ایک نوجوان کو اپنی زندگی کے اَن گنت مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دراصل صبر آزمائش کی ایک کڑی ہے، کبھی اللہ تعالیٰ انسان کو آزمانے کے لیے اور کبھی راہِ راست پر لانے کے لیے اسے امتحان میں مبتلا کرتا ہے، وہ وقت انسان کے صبر کا ہوتا ہے۔ صبر انسان کے لیے ہر حال میں اُمید کا چراغ ہے۔ قرآنِ مجید کی سورۃ البقرۃ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ ﴾ [2] "تم مدد مانگو، صبر اور نماز کے ساتھ۔"

یعنی ثابت قدمی اور صبر بذاتِ خود بہت بڑی مدد ہے، اور اللہ سے رجوع کرنے پر اللہ کی مدد اس معاملے میں شامل حال ہو جاتی ہے۔ اس طرح انسان تباہی سے بچ جاتا ہے۔ نوجوانی

۱ سورۃ لقمان: ۱۷

۲ سورۃ البقرۃ: ۱۵۳

شدتِ جذبات کا نام ہے اور جذبات سے مغلوب یہ نوجوان اکثر بے صبری کا مظاہرہ زیادہ کرتے ہیں۔ شرعی حدود سے تجاوز، پیسہ کمانے کے شارٹ کٹ راستے، فراڈ، ڈکیتیاں اور تعلیمی میدان میں ناجائز ذرائع کا استعمال، یہ درحقیقت بے صبری کی ایک عملی قسم ہے۔ اُمتِ مسلمہ کو پارہ پارہ کرنے میں ایک بڑی وجہ عدمِ برداشت ہے۔ نفرت، عداوت، انتقام، لالچ، حسد جیسی برائیوں نے اِن نوجوانوں کو بگاڑ رکھا ہے، کہ وہ صبر جیسی عزیمت کو بزدلی اور کم ہمتی گردانتے ہیں۔ حالانکہ صبر بہادری ہے، اس لیے صبر کی تلقین کے ساتھ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے یہ بھی فرمایا کہ یہ بڑے اونچے کاموں میں سے ہے۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ﴾[1]

"اور جو صبر کرے، اور قصور معاف کر دے تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔"

اسلام کا ایک ایک کارنامہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر و استقلال اور عزم و استقامت کا شاہکار ہے جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ مکی دور کے تیرہ سال کی آزمائش سے لے کر تمام غزوات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صبر کے عملی ثبوت ہیں، یہاں تک کہ اسلام کا نفاذ ہو جاتا ہے۔ آج بھی صبر جیسی صفت کو اپنا کر نوجوانانِ دین اپنی مشکلات پر قابو پا سکتے ہیں۔ انفرادی معاملات کے علاوہ ایک نوجوان جب دین کا راستہ اختیار کرتا ہے، تو اسے بہت سے مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کہیں تو سیکولر معاشرہ اور کہیں موجودہ مسلمانوں کا متضاد رویہ، اسے فرائض کی ادائیگی سے روکتا ہے۔ چنانچہ مسلم نوجوان کو صبر و استقلال اور استقامت میں اُس عظیم نوجوان صحابہ کی مثال کو سامنے رکھنا چاہیے جو حبشی اور غلام تھے۔ یہ صحابی حضرت بلال رضی اللہ عنہ تھے، جو اُمیہ بن خلف کے غلام تھے۔ اُمیہ ان کی گردن میں رسی ڈال کر لڑکوں کو دے دیتا اور وہ اُنھیں مکے کے پہاڑوں میں گھماتے پھرتے تھے، یہاں تک کہ گردن پر رسی کا نشان پڑ جاتا، خود اُمیہ انھیں باندھ کر ڈنڈے مارتا تھا اور چلچلاتی دھوپ میں جبراً بٹھائے رکھتا تھا۔ کھانا پانی بھی نہ دیتا ہے بلکہ بھوکا پیاسا رکھتا تھا اور اس سے بھی بڑھ کر ظلم یہ کرتا کہ جب دوپہر کو گرمی شباب پر ہوتی تو مکہ

1 سورۃ شوریٰ: ۴۳

کے پتھر یلے کنکروں پر لٹا کر سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا۔ پھر کہتا: خدا کی قسم! تو اس طرح پڑا رہے گا، یہاں تک کہ مر جائے یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کرے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس حالت میں بھی فرماتے: اَحَدٌ اَحَدٌ

یہ سختیاں اور مظالم ان کے صبر و استقلال میں ذرا برابر بھی لغزش نہ پیدا کر سکے بلکہ ان کے عزائم مزید پختہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ بھی یہی جذبہ پسند کرتا ہے اور صبر کرنے والے کو بے حد نوازتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے: ﴿وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾[1]

"اور صبر کیے رہو کہ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾[2]

"صبر کرنے والے کو بغیر حساب بدلہ دیا جائے گا۔"

الغرض یہ کہ نوجوان کا شیوہ ہونا چاہیے کہ انھیں کسی بھی طرح کی مشکل یا مصیبت پیش آئے تو وہ ضبطِ نفس، ثابت قدمی اور صبر سے کام لیں۔

۶۔ کبر و غرور سے اجتناب

﴿وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۖ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ﴾[3]

"اور لوگوں کے سامنے اپنی گال نہ پھلا، اور زمین پر اِترا کر نہ چل، کسی تکبر کرنے والے اور شیخی بگھارنے والے کو اللہ پسند نہیں فرماتا۔"

انسان جب غرور کا لبادہ اوڑھ لے، تو تکبر سے اس کی گردن اکڑ جاتی ہے، اس کی چال میں بناوٹ پیدا ہو جاتی ہے، اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ ترش رویہ اختیار کر لیتا ہے۔ یہ عموماً ہمارے نوجوانوں میں زیادہ ہے اور معاشرے میں پھیلے طبقاتی نظام نے اس کو مزید ہوا دی ہے۔ یوں

۱ سورۃ ہود: ۱۱۵
۲ سورۃ الزمر: ۱۵
۳ سورۃ لقمان: ۱۸

امیر اور غریب، سرمایہ دار اور مزدور میں ایک طویل خلیج حائل ہو گئی ہے۔ اس کا براہِ راست اثر نئی نسل پر ہو رہا ہے۔ عیاشیوں کے نام پر لٹائی جانے والی دولت، فیشن، نمائش اور خاص طور پر اپنی کمیونٹی میں شہرت اور چرچا کروانے میں نوجوان اپنا وقت برباد کرتے ہیں۔

اس کشمکش کے سبب عاجزانہ رویوں کو چھوڑ کر تکبر جیسی اخلاقی برائیوں میں مبتلا ہیں۔ زندگی سے متعلق بنیادی نصیحتوں کے بعد حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے فرزند کو غرور سے اجتناب برتنے کی تلقین کی نیز یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو پسند نہیں فرماتا۔ قرآنِ مجید میں اللہ کا فرمان ہے:

﴿إِنِّي وَجَدتُّ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوتِيَتْ مِن كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿٢٣﴾﴾[1]

"بے شک وہ (اللہ تعالیٰ) تکبر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔"

عارضی آسائشوں کو ذاتی جاگیر تسلیم کرکے آج کا نوجوان اپنے بے جا تکبر کے سبب اللہ تعالیٰ سے دور ہوتا جا رہا ہے اور یوں اپنی مقاصدِ حیات سے بے پرواہ ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام کی اس اخلاقی نصیحت کی دورِ جدید کے مسلمانوں کو بے حد ضرورت ہے۔ نوجوانوں میں محبت، اتحاد، اخوت کی کمی کی بنیادی وجہ یہ اخلاقی گراوٹ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ قَالَ رَجُلٌ إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَنَعْلُهُ حَسَنَةً قَالَ إِنَّ اللهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ الْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ»[2]

"جنت میں وہ شخص نہیں جائے گا، جس کے دل میں ذرا سا بھی کبر ہو۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہر شخص یہ پسند نہیں کرتا ہے کہ اس کا لباس اور جوتے اچھے ہوں، تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جمیل ہے، اور جمال کو پسند کرتا ہے، کبر و تکبر تو حق سے سرکشی اور لوگوں کی تحقیر یعنی لوگوں کو ذلیل سمجھنا ہے۔"

اسلام تمام مسلمانوں کو برابری کا درس دیتا ہے، جبکہ تکبر کے نتیجے میں امتیاز کے درجے

1 سورۃ النمل: ۲۳
2 صحیح مسلم: ۹۱

قائم ہوتے ہیں۔ اللہ کے عاجز بندے نرم رویہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ شائستہ اور مؤدب انداز اپناتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف میں قرآن مجید ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا ﴾[1]

"اللہ کے بندے زمین پر وقار اور سکونت کے ساتھ چلتے ہیں۔"

۷۔ رفتار و آواز میں اعتدال

مال و دولت، جاہ و منصب اور طاقت کی وجہ سے بعض دفعہ انسان کو کبر و غرور کا روگ لگ جاتا ہے جس کا اظہار اُس کی چال اور آواز کے بدل جانے کی صورت میں نکلتا ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنی آخری نصیحت میں چال اور آواز میں میانہ روی کی تلقین فرمائی:

﴿ وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ۭ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ ﴾[2]

"اور اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز پست کر، یقیناً آوازوں میں سب سے بدتر آواز گدھے کی آواز ہے۔"

رفتار اور آواز کے آداب سے مرصع ہونے کے بعد ہی انسان بے ادبی اور بد اخلاقی کی لعنت سے دور رہ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سب حیوانی صفات ہیں جو انسان کو انسانیت سے گرا دیتی ہیں۔ بد قسمتی سے یہ اخلاقی برائی بھی نوجوانوں میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ ہمارے نوجوان عجلت کا شکار ہے۔ اپنی وضع قطع، چال ڈھال میں کافروں کی روش اختیار کیے ہوئے ہیں جس کے باعث نہ تو اخلاقی صفات سے مزین ہیں اور نہ منظم۔ اس لیے نہ صرف نوجوانِ دین کو اپنی رفتار میں اعتدال برتنا چاہئے بلکہ آواز میں بے اخلاقی کا مظاہرہ نہیں کرنا ہے۔ وہی قوم یا گروہ منظم مانا جاتا ہے جو اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل ہوں۔ انسان اپنی انھی صفات ہی کی وجہ سے اشرف المخلوقات کے درجے پر فائز ہے۔ اس لیے بے ادب اور بے ربط آواز بہتر ہوتی تو گدھوں کی آواز سب سے

۱ سورۃ الفرقان:۶۳

۲ سورۃ لقمان:۱۹

بد تر ہے۔ جبکہ حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« إِذَا سَمِعْتُمْ صِيَاحَ الدِّيَكَةِ فَاسْأَلُوا اللهَ مِنْ فَضْلِهِ، فَإِنَّهَا رَأَتْ مَلَكًا، وَإِذَا سَمِعْتُمْ نَهِيقَ الْحِمَارِ فَتَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِنَّهُ رَأَى شَيْطَانًا »[1]

"جب تم مرغ کی بانگ سنو تو اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو کیونکہ وہ فرشتہ کو دیکھ (کر یہ آواز نکالتا) ہے اور جب گدھے کی آواز سنو تو شیطان سے پناہ مانگا کرو کیونکہ وہ شیطان کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔"

یہ تھے وہ سات نصائح جو قرآنِ کریم نے حضرت لقمان علیہ السلام کی زبانی بیان کیے ہیں۔ چنانچہ ایک نوجوان جب راہِ راست اختیار کرے تو اس کے لیے بنیادی امر عقائد و نظریات کی پختگی ہونا چاہیے۔ نوجوانوں کے لیے پہلی تاکید توحید ہے۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد دوسری اہم چیز اللہ تعالیٰ کو غالب و قادر اور باخبر تسلیم کرنا ہے۔ نیز اس پر توکّل کرنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ عقائد کے بعد نوجوانوں میں عبادات کے شعور اجاگر کرنے اور بالخصوص حقوق اللہ ادا کرنے کے لیے نماز کی تلقین کی گئی ہے۔ توحید، اللہ تعالیٰ کی بڑائی سے واقف ہونے اور عبادات کی ادائیگی کے بعد ایک نوجوان کو معاشرے کی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ اس فریضہ کی ادائیگی میں پیش آنے والی مشکلات پر صبر کا حکم ہے۔ مسلمانوں میں اخوت، محبت اور اخلاقی اقدار کو پروان چڑھانے کے لیے تکبر، آواز و رفتار میں بے ڈھنگاپن سے دور رہنے کی اور نوجوانِ دین کو ہر حال میں سادگی، میانہ روی اور عاجزی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ ہیں وہ سات اُصول جن پر عمل کر کے آج کے نوجوان اپنی الجھی ہوئی زندگی کو آسان بنا سکتے ہیں۔ قبل اس سے کہ ربّ العالمین کے سامنے جواب دہ ہونے کا وقت آجائے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

« لَا تَزُولُ قَدَمَا عَبْدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتَّى يُسْأَلَ عَنْ عُمُرِهِ فِيمَا أَفْنَاهُ وَعَنْ عِلْمِهِ فِيمَا فَعَلَ وَعَنْ مَالِهِ مِنْ أَيْنَ اكْتَسَبَهُ وَفِيمَا أَنْفَقَهُ وَعَنْ جِسْمِهِ فِيمَا

1 صحیح بخاری: ۳۳۰۳

أَبْلَاهُ "[1]
"کسی بھی شخص کے قدم روزِ قیامت آگے نہ اُٹھ سکیں گے، یہاں تک کہ وہ اس سے پوچھا جائے: اس کی عمر کے بارے میں، کہاں صرف کی؟ اس کے علم کے بارے کہ اس پر کتنا عمل کیا؟ اس کے مال کے بارے میں کہ کہاں سے کمایا اور کس میں خرچ کیا؟ اور اس کے جسم کے بارے میں کہ کہاں اس کو کھپایا؟"

حل

ان سات نکات کے علاوہ نوجوانوں کو اپنی شخصیت نکھارنے کے لیے درج ذیل عوامل کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، یہ شریعت مطہرہ کی دیگر تعلیمات سے معلوم ہوتے ہیں:

① نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ مقاصدِ حیات کو پہچانیں۔
② ہر حال میں اللہ کی مدد پر یقین رکھیں اور وسوسے و مایوسی سے بچیں۔
③ روزانہ اپنے ضمیر کی عدالت میں اپنا احتساب کریں۔
④ زندگی کے ہر معاملے میں انصاف کریں۔ وقت، محنت، تعلیم، فرائض، عبادات، معاملات، غرض ہر حق جو مسلمانوں پر لاگو ہوتا ہے، اس میں انصاف کریں۔
⑤ تاریخ اسلام میں جو بڑے لوگ گزرے ہیں، اُنھیں اپنا آئیڈیل بنائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سب سے بڑی آئیڈیل ہے اور دیگر سلف صالحین کی زندگی کو اپنا نمونہ بنائیں۔
⑥ اپنے اردگرد کی دنیا، اس میں پائے جانے والے اَسرار و رموز، حقائق پر غور و فکر کریں۔
⑦ اپنا عمل اپنے قول کے مطابق کریں۔
⑧ تبلیغ کریں، پڑھائی نہ چھوڑیں بلکہ تبلیغ دین کے لیے علمی، فکری صلاحتیں بڑھانا اہم مقاصد میں سے ہے۔
⑨ اپنا اُسلوب بیان بہتر کریں، نیز آپ کی تبلیغ میں دلائل، ثبوت اور پختگی ہو۔
⑩ فرصت کے اوقات میں اپنی گھروں میں مجالس کا اہتمام کریں۔ جس میں اقربا، دوستوں

1 جامع ترمذی:۲۴۱۷

سے حالاتِ حاضرہ کے موضوعات کو زیرِ بحث لائیں۔

⑪ شہرت حاصل کرنے اور امیر بننے کی منصوبہ بندی نہ کریں، بلکہ اچھے انسان اور اچھے مسلمان بنیں، کامیاب آپ خود ہو جائیں گے۔

⑫ آپ کے مسائل خواہ تعلیمی، نظریاتی معاشرتی، اقتصادی یا سیاسی ہوں، اُنھیں دینِ اسلام کی روشنی میں حل کرنے کی کوشش کریں۔

⑬ عالمِ اسلام کو لاحق خطرات کا ادراک کریں۔ جن میں عیسائی، یہودی، ہندو، صیہونی، مرزائی، کیمونسٹ اور دیگر بیرونی قوتیں اسلام کے خلاف اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہیں۔

⑭ موجودہ دور میڈیا کا دور ہے۔ اس کے ذریعے دین کی دعوت اور نشر واشاعت پر توجہ دیں اور لغویات سے اجتناب برت کر وقت اور نفس کی حفاظت کریں۔

⑮ آزادی کے نام پر بے حیائی سے بچیں، نہ دینِ اسلام میں ایسی آزادی کی گنجائش ہے اور نہ ایسی بے حیائی کی، پاکدامنی اور حیا کا راستہ اختیار کریں۔

⑯ اُمتِ مسلمہ ایک وحدت ہے۔ اسے جھنڈوں، فرقوں، ذات، لسانیت، ثقافت، حد بندیوں میں تقسیم نہ سمجھیں۔ بلکہ آپس میں محبت کریں، نیک عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیں۔ کیونکہ ایک حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الدَّالُّ عَلَى الْخَيْرِ كَفَاعِلِهِ[1]

"جو لوگوں کو راہ ہدایت کی طرف بلاتا ہے، اس کے لیے اتنا ثواب ہے، جتنا اس پر عمل کرنے والے کو ملتا ہے، اور اس سے ان کے اجر وثواب میں کمی نہیں ہوتی۔"

اسی موضوع پر محدث کے شمارہ ستمبر ۲۰۱۲ء میں چھپنے والا شیخ محمد صالح العثیمین کا تفصیلی مضمون 'عصر حاضر کے نوجوانوں کے مسائل کا حل' بھی بڑا مفید اور قابل مطالعہ ہے۔ ادارہ

1 جامع ترمذی: ۲۶۷۰

CPL No. 49
Vol. 45 No.3
Monthly MUHADDIS Lahore
5866476
5866396

عناد اور تعصب قوم کے لیے زہرِ ہلاہل کی حیثیت رکھتے ہیں

لیکن تعصّبات سے بالا تر رہ کر اِفہام و تفہیم اُمت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

علومِ جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں مخل کا درجہ رکھتے ہیں

لیکن قدیم علومِ اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دَقیانوس بتانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اَقدار کے منافی ہے

لیکن دینِ اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سر انجام نہ دینا حمیتِ دینی اور غیرتِ اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالحِ دینیہ کے خلاف ہے

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رَواداری برتنا اور قوانین و مسائلِ اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

آئین و سیاست سے بیگانہ ہو کر عبادت کے لیے گوشہ نشین ہو جانا زندگی سے فرار ہے

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اَوصاف میں داخل ہے

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

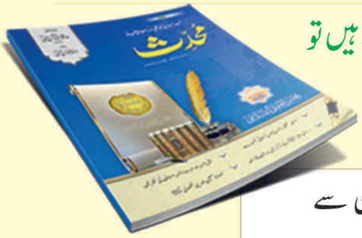

ماہنامہ محدث لاہور

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، اِن شاء اللہ!
کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

- قیمت فی شمارہ ۳۰ روپے
- زرِ سالانہ ۳۰۰ روپے